مریم جمیلہ کی مذہبی تبدیلی کا تجزیاتی مطالعہ

ذوہیب احمد ٭

An Analytical Study of Maryam Jameelah's Religious Conversion

Zohaib Ahmed٭

ABSTRACT

Maryam Jameelah was born in an American-Jewish family. She migrated to Pakistan on the invitation of Sayyid Abū al-A'lā Maudūdī after her conversion to Islam. Earlier studies on her conversion have overlooked the fact that before her embracing Islam, she had opted for atheism and Bahaism as well. Moreover, it is also ignored that during her spiritual journey she had also studied Christianity, Confucianism, Hinduism, and Buddhism. Therefore, it is needed to understand why she adopted atheism, Bahaism, and Islam while rejecting other religions. After analyzing various aspects of her life along with her study of world religions and the contexts in which her conversions took place, the present study argues that her acceptance of Islam is a continuous

٭ اسسٹنٹ پروفیسر، فیکلٹی آف اسلامک لرننگ، اسلامیہ یونی ورسٹی، بہاول پور۔(hafizctn@gmail.com)

٭ Assistant Professor, Faculty of Islamic Learning, The Islamia University of Bahawalpur, Bahawalpur. (hafizctn@gmail.com)

process rather than a single event which is in fact triggered by a number of incidents.

❁ ❁ ❁ ❁ ❁

تعارف

مریم جمیلہ ایک یہودی خاتون تھیں جو اسلام قبول کر کے سید ابو الاعلیٰ مودودی کی دعوت پر پاکستان ہجرت کر آئیں تھیں۔ مریم جمیلہ کے سوا ان کے بقیہ گھرانے نے یہودیت سے کنارہ کشی اختیار کر کے عیسائیت سے رشتہ جوڑ لیا تھا۔ یہ خاندان کی وہ واحد فرد تھیں جنھوں نے کبھی بھی مسیحیت کو بہ طور مذہب اپنانے کی کوشش نہیں کی۔ انھوں نے ہندومت، بدھ مت اور کنفیوشس مت کا بھی مطالعہ کیا، تاہم ان میں سے کسی کو بھی بہ طور مذہب قبول نہیں کیا۔ ان کی مذہبی تبدیلی کا مطالعہ کرتے وقت محققین زیادہ تر ان کے قبولِ اسلام کی طرف ہی توجہ دیتے ہیں۔ تاہم اس بات کو عموماً نظر انداز کر دیا جاتا ہے کہ انھوں نے اسلام قبول کرنے سے پہلے ایک عرصہ تک بہائیت اور دہریت کو بھی اپنائے رکھا تھا۔ اس لیے جہاں یہ جاننے کی ضرورت ہے کہ انھوں دہریت اور بہائیت کو کیوں اپنایا وہیں یہ بھی دیکھنے کی ضرورت ہے کہ بعد میں انھوں نے ان تمام مذاہب پر اسلام ہی کو کیوں ترجیح دی؛ انھیں اس ضمن میں کیا کیا آسانیاں اور مشکلات پیش آئیں اور اسلام قبول کرنے کے پیچھے ان کے مقاصد کیا تھے۔ زیرِ نظر مضمون میں ان کی زندگی کے مختلف پہلوؤں، اسلام اور دوسرے مذاہب کے متعلق ان کے خیالات اور ان کے خاندانی و معاشرتی پسِ منظر کا جائزہ لیتے ہوئے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ ان کا قبولِ اسلام ایک واقعہ نہیں بلکہ ایک مسلسل عمل تھا جو متعدد عوامل کا محتاج تھا۔ اس کی مذہبی اور ثقافتی دونوں وجوہات تھیں۔ انھوں نے مختلف مذاہب کو اپنایا مگر سوائے اسلام کے کوئی بھی مذہب ان کو اس لیے مطمئن نہیں کر پایا، کیوں کہ وہ مذہب کو بہ طور مذہب ہی نہیں بہ طور ثقافت بھی اپنانا چاہتی تھیں۔ محمد اسد کی کتب کے مطالعے نے انھیں اسلام کو بہ طور مذہب اور بہ طور ثقافت علاحدہ علاحدہ سمجھنے کی طرف مائل کیا، لہٰذا انھوں نے اسلام اس لیے بھی قبول کیا، کیوں کہ وہ سمجھتی تھیں یہ صرف مذہب ہی نہیں بلکہ ایک مکمل تہذیب بھی ہے۔

سابقہ معلومات کا جائزہ

قبولِ اسلام مریم جمیلہ کی زندگی کا ایک بڑا واقعہ تھا جس کا ذکر انھوں نے مفصل انداز میں تقریباً اپنی تمام

کتب میں کیا ہے۔ مارسیا ہر مینسن (Marcia Hermansen) [۱] ان کے قبولِ اسلام کا تجزیہ کرتے ہوئے استدلال کرتی ہیں کہ جمیلہ بائبل کے تصور آخرت سے مطمئن نہیں تھیں، اس لیے قرآن مجید کا مطالعہ کرتے وقت انھوں نے بہ طور خاص ان آیات کا مطالعہ کیا ہے جن میں تصور خدا، حیات بعد الموت اور صبر کا بتایا گیا ہے۔ ہر مینسن کا خیال ہے کہ یہ وہ تصورات تھے جن کا جمیلہ خود مطالعہ کرنا چاہتی تھیں، اس وجہ سے وہ ان کا شمار ان نومسلموں میں کرتی ہیں جنھوں نے الٰہیات کے مسائل کا براہ راست مطالعہ کیا ہے۔ وہ لکھتی ہیں کہ جمیلہ نے یہودیت اور عیسائیت کو کرپشن اور منافقت کی بنا پر تنقید کا نشانہ بنایا۔ جب انھوں نے اسلام کی آفاقیت کا موازنہ یہودی قوم پرستی کے ساتھ کیا تو انھیں لگا کہ اسلام ان مذاہب سے برتر ہے۔[۲] مزید بر آں، وہ یہ استدلال بھی کرتی ہیں کہ اسلام قبول کرتے وقت بیش تر لوگ اپنی ذاتی کوتاہیوں کی بجائے مغربی معاشرے سے مطمئن نہ ہونے کی وجہ سے مغرب کو اپنی تنقید کا نشانہ بناتے ہیں۔ راقم الحروف کے استفسار پر انھوں نے اس بات کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جمیلہ کی زندگی کا مطالعہ کرتے ہوئے انھوں نے محسوس کیا ہے کہ دوسرے نومسلموں کی نسبت جمیلہ نے اپنے قبولِ اسلام کے عمل کو زیادہ وضاحت سے بیان کیا ہے۔ اگرچہ جمیلہ نے اپنے خطوط یا خود نوشت میں اپنی ذاتی خامیوں کا کھلا اظہار کیا ہے تاہم ان کی دوسری کتابوں میں ایسے شواہد نہیں ملتے۔[۳] تاہم ہر مینسن نے اس بات کو واضح نہیں کیا ہے کہ لوگوں کے قبولِ اسلام کے عمل کو سمجھنے کے لیے ان کی ذاتی کوتاہیاں جاننی کیوں ضروری ہیں؟

احمد عبد الرحمن اضافہ کرتے ہیں کہ مریم جمیلہ کا مسلمان بننا کوئی جلدی کا فیصلہ نہیں تھا بلکہ انھوں نے بہت سوچ سمجھ کر اسلام اور دوسرے مذاہب کا موازنہ کرنے کے بعد اسے منطقی و عقلی اعتبار سے سمجھ کر قبول کیا تھا۔ ان کے قبول اسلام کا عمل ان کی پیدائش کے صرف دس سال بعد ۱۹۴۴ء میں شروع ہو گیا تھا جس کا نتیجہ ۱۹۶۱ء میں ان کا کلمۂ شہادت پڑھنا تھا۔[۴] ذاکر اعظمی[۵] نے جب مریم جمیلہ سے ان کے قبول اسلام کے متعلق

۱۔ مارسیا ہر مینسن نامور مسلم محققہ ہیں جو لایولا یونی ورسٹی (Loyola University) کے شعبہ تھیالوجی (Theology) میں بہ طور پروفیسر فرائض انجام دے رہی ہیں۔

2– Marcia Hermansen, "Roads To Mecca: Conversion Narratives of European and Euro-American Muslims," *The Muslim World* 89, no. 1 (1999): 78-79.

3– Marcia Hermansen, e-mail message to author, April 27, 2016.

۴۔ احمد عبد الرحمن، **لماذا أسلم هؤلاء** (قاہرہ: مکتبة وهبة، ۲۰۰۹ء)، ۶۳–۶۴۔

۵۔ ذاکر اعظمی ایک آزاد محقق ہیں۔ انھوں نے عربی زبان میں مریم جمیلہ کی سوانح عمری مرتب کی ہے۔

جاننا چاہا تو انھوں نے جواب دیا کہ انھیں عربی موسیقی سے رغبت تھی۔ وہ گھنٹوں مسجد میں بیٹھیں قرآن مجید کی تلاوت سنا کرتی تھیں۔ دس سال کی عمر میں یہودیت کے مطالعے سے انھیں اس بات کا علم ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام مسلمانوں اور یہودیوں دونوں کے جدِ امجد ہیں۔ رفتہ رفتہ وہ اس بات سے بھی آگاہ ہو گئیں کہ کس طرح اندلس میں مسلمانوں اور یہودیوں نے مل کر ایک سنہرا دور تخلیق کیا تھا۔ بعد ازاں، یہودیوں کی دین سے دوری نے انھیں یہودیت سے دور کر دیا اور مختلف ادیان کا مطالعہ کرنے کے بعد انھوں نے اسلام قبول کر لیا۔[٦] اعظمی نے اگرچہ خود جمیلہ کے قبولِ اسلام کا تجزیہ نہیں کیا تاہم ان کے کام کی یہ خصوصیت تھی کہ انھوں نے نہ صرف جمیلہ کی کتب سے استفادہ کیا بلکہ جہاں کہیں انھیں وضاحت درکار ہوتی وہ خط و کتابت کے ذریعے براہ راست ان سے رابطہ کر لیتے۔ ان کا مقصد جمیلہ کی سوانح عمری لکھ کر ان کو عرب دنیا میں متعارف کروانا تھا۔ اعظمی کے لکھے گئے خطوط آج بھی لاہور میں جمیلہ کی ذاتی لائبریری میں محفوظ ہیں۔

پیٹرک بوون[٧] (Patrick D. Bowen) لکھتے ہیں کہ جب جمیلہ نے قرآن مجید کا مطالعہ کیا تو انھیں لگا کہ انھوں نے سچا دین تلاش کر لیا ہے لیکن چوں کہ وہ مسلمانوں کے متعلق نہیں جانتی تھیں اس لیے اسلام قبول کرنے کے لیے تیار نہیں تھیں۔ انھوں نے اسلام کے متعلق مزید پڑھنے کا سوچا۔ بعد ازاں، انھوں نے محمد اسد[٨] اور دوسرے مسلم علما کی تصانیف کا مطالعہ کیا۔ نیویارک میں مقیم امریکی وغیر امریکی مسلمانوں سے بھی ان کی واقفیت ہو گئی۔ ان دنوں بہت سے بین الاقوامی مسلم طلبا مل کر حلیمہ نامی ایک خاتون، جو خود بھی نو مسلم تھیں، کے گھر اکٹھے ہوتے تھے۔ جمیلہ بھی وہاں جایا کرتی تھیں۔ بالآخر مختلف مسلم مفکرین اور ائمہ سے ملنے کے بعد انھوں نے اسلام قبول کر لیا۔[٩] بوون کی تحقیق سے اس بات کا پتا چلانے میں آسانی ہوتی ہے کہ انھوں نے فوراً اسلام اس لیے قبول نہیں کیا کیوں کہ پہلے وہ مسلمانوں سے ملنا چاہتی تھیں تاکہ ان کو اچھی طرح سمجھ سکیں۔ اس ضمن میں

٦- ذاکر اعظمی، **مريم جميلة: المهاجرة من اليهودية إلى الإسلام ومن امريكا إلى باكستان بحثاً عن الحقيقة والإيمان** (دمشق: دار القلم، ۲۰۱۰ء)، ۲۳-۲۷۔

٧- پیٹرک بوون ایک مذہبی اسکالر ہیں جن کا تخصص مذہبی تبدیلی کے موضوع پر ہے۔ اسلام کے حوالے سے انھوں نے متعدد کتب لکھی ہیں۔

٨- محمد اسد ایک جرمن یہودی تھے جنھوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ نام ور صحافی، مفکر، ادیب اور عالم تھے۔

9- Patrick D. Bowen, *A History of Conversion to Islam in the United States, Volume 1: White American Muslims before* 1975, (Boston: Brill, 2015), 309-10.

ڈیبورا بیکر (Deborah Baker)[۱۰] لکھتی ہیں کہ داؤد احمد فیصل[۱۱] (۱۸۹۱) ، جن کے ہاتھ پر مریم جمیلہ نے کلمۂ شہادت پڑھا، نے ان کے قبولِ اسلام میں ایک اہم کردار ادا کیا۔[۱۲] جان ایسپوزیٹو (John L. Esposito) ایک اور بات کا اضافہ کرتے ہیں کہ محمد اسد اور ابراہیم اسحاق کیتس[۱۳] (Abraham Isaac Katsh) نے بالواسطہ ان کے قبولِ اسلام میں اہم کردار ادا کیا۔ کیتس، جو یونی ورسٹی میں ان کے استاد تھے، دورانِ لیکچر جب طلبا کو یہودیت کی سچائیوں سے روشناس کروا رہے تھے تو وہ جمیلہ کے قبولِ اسلام کا سبب بنے۔ وہ اپنی کلاس کے دوران قرآن مجید پر یہودیت کے اثرات کو ثابت کرنے کی کوشش کر رہے تھے، تاہم ان کی باتیں مریم جمیلہ کو یہودیت کی برتری کے بجائے اسلام کی برتری کی قائل کرنے کا سبب بنیں۔[۱۴] ایسپوزیٹو جمیلہ ہی کی کتاب سے اقتباس کرتے ہیں کہ آخر کار کیتس کی باتوں نے مریم کو یہ کہنے کی طرف مائل کر دیا کہ "اور میں یہاں اب تک یہودی ہوں — یا کم از کم ہر کوئی یہی سمجھتا ہے — تاہم میں اب اپنے دل میں یہودی نہیں رہی۔"[۱۵] ایسپوزیٹو کی تحریر سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ یہ جملہ انھوں نے کیتس کی باتوں کے اثر میں کہا تھا، تاہم جو حوالہ انھوں نے درج کیا ہے اس سے پتا چلتا ہے کہ مریم جمیلہ نے یہ جملہ کیتس کے بجائے علامہ اقبال کی شاعری سے متاثر ہو کر لکھا تھا۔[۱۶] لہٰذا اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اقبال کی شاعری نے بھی جزوی طور پر ان کو قبولِ اسلام کی طرف مائل کیا ہے۔

۱۰– ڈیبورا بیکر ایک صحافی اور سوانح نگار ہیں جنھوں نے *The Convert: A Tale of Exile and Extremism* کے عنوان سے مریم جمیلہ کی سوانحِ حیات لکھی ہے۔

۱۱– شیخ داؤد احمد فیصل ایک مراکشی عرب تھے اور امریکا میں اسلامک مشن کے انچارج ہونے کے ساتھ ساتھ بروکلین (Brooklyn) مسجد کے امام بھی تھے۔

12– Deborah Baker, *The Convert: A Tale of Exile and Extremism* (Minneapolis: Graywolf Press, 2012), 86.

۱۳– پروفیسر ابراہیم اسحاق کیتس ایک یہودی ربی تھے جنھیں عبرانی اور عربی زبان کا ممتاز عالم تصور کیا جاتا ہے۔

14– John L. Esposito and John O. Voll, *Makers of Contemporary Islam* (Oxford: Oxford University Press, 2001), 56.

15– Ibid.

۱۶– دیکھیے:

Maryam Jameelah, *Memories of Childhood in America: The Story of One Western Convert's Quest for the Truth* (Lahore: Mohammad Yusuf Khan, 1989), 112.

درج بالا آرا سے علم ہوتا ہے کہ مریم جمیلہ کے قبولِ اسلام کے عوامل متعدد تھے جن میں مطالعۂ قرآن مجید اور حیات بعد الموت کے خوف کے علاوہ اسلام کا عمومی مطالعہ اور مسلمانوں کی عملی زندگی کو سمجھنا بھی شامل تھا۔ تاہم ان کی مذہبی تبدیلی کے حوالے سے اس بات کو عموماً نظر انداز کر دیا جاتا ہے کہ وہ اسلام قبول کرنے سے پہلے دہریت اور بہائیت بھی یکے بعد دیگرے قبول کر چکی تھیں۔ اس لیے یہ بات جاننے کی ضرورت بھی ہے کہ انھوں نے بہائیت اور دہریت کیوں اختیار کی؟ اور پھر کیوں ان سے کنارہ کشی کی؟ کچھ تاریخی وجوہات کی بنا پر ان کے اسلام قبول کرنے کا عمل اور بھی اہم ہو جاتا ہے، جن کی طرف عموماً توجہ نہیں دی گئی۔ ان کے آباواجداد جرمنی سے امریکہ آئے تھے۔ وہ ایک یہودی فلسفی موسیٰ مینڈلزن (Moses Mendelssohn) کی اصلاح پسند تنظیم ہشکالا (Haskalah) کے پیروکار تھے۔ مینڈلزن ایک مصلح بن کر ابھرے اور انھوں نے اپنی زندگی کا بیش تر حصہ مذاہبِ عالم کو سمجھنے اور یہودیوں کو مشکلات سے نکالنے پر صرف کر دیا۔ ان کی اصلاحی تحریک نے اگرچہ یہودیوں کو ماضی کی دشواریوں سے نکلنے میں مدد دی مگر اس کے ساتھ ساتھ بہت سے یہودیوں نے مسیحیت کو بھی اختیار کیا۔ ایسا کرنے والوں میں مینڈلزن کے اپنے بچے بھی شامل تھے۔[۱۷] مریم جمیلہ کے آباواجداد بھی اصلاحی یہودیت (Reform Judaism) سے تعلق رکھتے تھے۔[۱۸] نہ صرف مریم جمیلہ بلکہ ان کے گھرانے کے دوسرے افراد نے بھی یہودیت سے کنارہ کشی اختیار کر لی تھی۔ ان کے دادا اور دادی نے تمام عمر یہودیت کو بہ طور مذہب اپنائے رکھا تاہم ان کے والدین اور گھرانے کے دوسرے افراد نے اپنا آبائی مذہب چھوڑ کر مسیحیت اختیار کر لی۔ مریم جمیلہ نے اپنے گھرانے کے برعکس اسلام کو بہ طور مذہب اپنانے کا فیصلہ کیا، چناں چہ جہاں یہ جاننے کی ضرورت ہے کہ وہ کیا وجوہات تھیں جن کی بنا پر انھوں نے نہ صرف اپنے گھرانے بلکہ اصلاح پسند یہودی روایت کے برعکس اسلام کو ترجیح دی، وہیں یہ بات بھی جاننے کی ضرورت ہے کہ انھوں نے مسیحیت اور ہندومت وغیرہ کو کیوں نہیں اختیار کیا؟

17– Chaim Schloss, *2000 Years of Jewish History: From the Destruction of the Second Bais Hamikdash Until the Twentieth Century* (Jerusalem: Feldheim Publishers, 2002), 217.

۱۸– اصلاحی یہودیت یا آزاد خیال یہودیت نے زیادہ تر امریکا میں رواج پایا۔ اس سے منسلک یہودی مذہب میں ارتقا کے حامی ہونے کی وجہ سے عقائد و مذہبی رسوم میں جدت پسندی کے قائل ہیں۔

مختصر حالات زندگی[۱۹]

مریم جمیلہ ۲۳؍ مئی ۱۹۳۴ء کو امریکہ کے شہر نیو یارک میں پیدا ہوئیں۔ ان کا پیدائشی نام مارگریٹ مارکس (Margaret Marcus) تھا۔ وہ ایک اصلاح پسند یہودی گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں۔ ان کے والد کا نام ہربرٹ مارکس (Herbert Marcus) تھا جو شیشے کے کاروبار سے منسلک تھے۔ ان کی والدہ کا نام مائرہ مارکس (Marcus Myra) تھا جو ایک سوشل ورکر ہونے کے ساتھ ساتھ صیہونی تنظیموں کے لیے چندہ بھی اکٹھا کیا کرتی تھیں۔[۲۰] ان کے آباو اجداد ۱۸۴۸ء– ۱۸۶۱ء کے درمیان جرمنی سے امریکہ منتقل ہوئے تھے۔ دوسرے یہودیوں کی طرح مارگریٹ کے خاندان نے بھی امریکی طرزِ زندگی کو اپنا لیا تھا۔ وہ لکھتی ہیں کہ ان کا بچپن دوسرے امریکی بچوں کی نسبت بہت مختلف تھا۔ انھوں نے مغربی طرزِ حیات کو اپنے شخصی رویے کے برعکس پایا۔ نہ ہی انھیں رقص و سرود کی محفلیں اچھی لگتی تھیں،[۲۱] اگرچہ انھیں پاپ موسیقی سے نفرت تھی مگر روایتی موسیقی انھیں پسند تھی۔ روایتی موسیقی سے محبت ہی نے انھیں مشہور عرب گلوکارہ ام کلثوم سے متعارف کروایا۔ بعد میں قرآن مجید سے ان کے تعارف کی وجہ بھی یہی بات بنی۔

ان کے خاندان کا یہودی مذہب سے تعلق برائے نام ہی تھا[۲۲] اور وہ مشہور یہودی تہوار مثلاً ہنوکا (Hanukkah) اور یوم کپور (Yom Kippur) وغیرہ تو نہیں مناتے تھے تاہم ان کے ہاں مسیحی تہوار پورے جوش و خروش سے منائے جاتے تھے۔[۲۳] نہ صرف امریکہ میں بلکہ جرمنی میں بھی ان کا خاندان مسیحیوں سے پوری طرح گھل مل گیا تھا۔[۲۴] شاید یہی ایک بڑی وجہ تھی کہ اس خاندان کو امریکہ آکر مسیحیت سے رشتہ جوڑنے میں کسی بڑی دقت کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ موسی مینڈلزن کے پیروکار ہونے کی وجہ سے ان کا خاندان بھی خود کو اصلاح پسند یہودی کہلاتا تھا۔ اگرچہ مینڈلزن کی اصلاح پسند تحریک، ہشکالا، وہ واحد عامل نہ رہی ہوگی جس نے جرمنی کے

۱۹– زیر نظر مضمون میں مریم جمیلہ کی زندگی کے ان پہلوؤں کو فوقیت دی گئی ہے جو مصنف کے نزدیک براہ راست ان کے قبولِ اسلام پر اثر انداز ہوئے ہیں۔

20– Jameelah, *Memories of Childhood in America*, 49.

۲۱– ام کلثوم، ”محترمہ مریم جمیلہ: خاتون اسلام“، ماہنامہ **بتول**، لاہور (۱۹۷۴ء)، ۱۶۔

22– Maryam Jameelah, *Islam and Orientalism* (Lahore: Mohammad Yusuf Khan & Sons, 1981), 9.

23– Jameelah, *Memories of Childhood in America*, 9-11.

24– Maryam Jameelah, *Islam in Theory and Practice* (Lahore: Mohammad Yusuf Khan, 1978), 3.

یہودیوں کو مشکلات سے نکالا مگر اس تحریک کا اثر ان کی معاشرتی، مذہبی اور سیاسی زندگیوں پر بہت گہرا تھا۔[۲۵] مارگریٹ البتہ مینڈلزن کے کام کو اچھا نہیں سمجھتی تھیں۔ ان کا خیال تھا کہ مینڈلزن کی تحریک نے جرمنی کے یہودیوں کو مذہب سے دور کر دیا تھا۔[۲۶] وہ لکھتی ہیں کہ اس تحریک نے مغربی تہذیب سے وابستگی اختیار کی اور یہودیوں کو سیکولر تعلیم کی طرف راغب کیا۔ ہشکالا، جس کا مقصد عقلیت پسندی کی وکالت، بھائی چارے کا فروغ اور جدید دور کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہو کر[۲۷] یہودیوں کو ترقی کی راہ پر گام زن کرنا تھا،[۲۸] ان کے نزدیک مذہبیت سے انسان کو دور کر کے مادیت کی طرف لے جاتی تھی۔ وہ استدلال کرتی ہیں کہ خود کو جدید کہلوانے کے شوق میں یہودیوں نے اپنے آبائی مذہب سے کنارہ کشی کی۔ ان کی زندگیوں میں روایتی عبرانی اذکار کی جگہ مسیحی حمدیہ گیتوں نے لے لی۔ ایک نئی تبدیلی یہ ہوئی کہ دیواروں پر پیغمبروں کی تصاویر لگائی جانے لگیں۔ عبادت گاہوں میں مردوزن کا اختلاط ہوا۔ رفتہ رفتہ یہودیوں نے اپنی عبادات چرچ کی رسومات کے رنگ میں رنگ لیں۔ وہ تمام دعائیں، اذکار اور عبادات جن میں الٰہیات، سمعیات اور نبوات کا ذکر تھا یا آزاد خیالی اور جدید مغربی تہذیب کے خلاف تھیں، رفتہ رفتہ ختم کر دی گئیں۔[۲۹] یوں ہشکالا نے یہودیوں کو مغرب زدہ کر کے مذہب سے دور کر دیا۔ اس طرح سے وہ نہ صرف جدید مغربی معاشرے میں ضم ہو سکتے تھے بلکہ مسیحیت، جو وہاں کا ایک بڑا مذہب تھا، کا حصہ بھی بن سکتے تھے۔ وہ قبول اسلام کے بعد کے ایک خط میں بہ طور خاص اس بات کا ذکر کرتی ہیں کہ مینڈلزن کی

25– Michah Gottlieb, ed. *Moses Mendelssohn: Writings on Judaism, Christianity, and the Bible* (New Hampshire: Brandeis University Press, 2011), xi.

26– Maryam Jameelah, review of *Militant Islam*, by Godfrey H. Jansen. *Muslim World Book Review* 1, no. 2 (1981): 19; Maryam Jameelah, *Islam and Western Society: A Refutation of the Modern Way of Life* (Delhi: Adam Publishers & Distributors, 1990), 28.

۲۷– مینڈلزن سے پہلے کا جرمنی یہودیوں کے لیے مشکلات سے پر تھا۔ مینڈلزن نے یہودیوں کو شہری حقوق دلانے کی کوشش کی۔ اس کا خیال تھا کہ اگر یہودی سیکولر تعلیم حاصل کریں، جرمن زبان سیکھیں اور خود کو مغربی تہذیب کے مطابق ڈھال لیں تو ان کے لیے زندگی قدرے آسان ہو جائے گی۔

۲۸– اسحاق بارزیلے نے ہشکالا کی خصوصیات پر تفصیلی بحث کی ہے۔ دیکھیے:

Isaac Eisenstein-Barzilay, "The Ideology of the Berlin Haskalah", *Proceedings of the American Academy for Jewish Research* 25(1956), 1: 37.

29– Maryam Jameelah, *Islam Versus Ahl al-Kitab: Past and Present* (Delhi: Taj Company, 1993), 113.

تحریک نے جس طرح یہودیوں کو مغرب زدہ کیا، ٹھیک اسی طرح سید احمد خان اور محمد عبدہ نے بالترتیب برصغیر اور مصر کے مسلمانوں کے ساتھ کیا۔[۳۰] قطع نظر اس کے کہ ان کی یہ رائے درست تھی یا نہیں، اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ بچپن میں ان کا اصلاح پسند یہودیت سے کنارہ کشی اختیار کر لینا اور بعد ازاں مسلم و غیر مسلم جدیدیت پسندوں پر تنقید کرنا، مینڈلزن کی تحریک کے اثرات کی وجہ سے بھی تھا۔

جیوش سنڈے سکول (Jewish Sundy School)[۳۱] نے انھیں یہودیت کے مطالعے کی طرف مائل کیا۔ ان کی امریکہ میں گزری زندگی سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے **عہد نامہ قدیم و جدید** کا مطالعہ بچپن ہی سے شروع کر دیا تھا۔[۳۲] اپنی سکول کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد ستمبر ۱۹۵۲ء میں ان کا داخلہ یونی ورسٹی آف روچیسٹر (University of Rochester) میں ہو گیا تاہم نفسیاتی مسائل کی وجہ سے انھیں یونی ورسٹی کو خیر آباد کہنا پڑا۔ بعد میں انھوں نے نیو یارک کالج میں داخلہ لے کر مصوری کی تعلیم لینا شروع کر دی۔ ساتھ ساتھ انھوں نے فرانسیسی زبان بھی سیکھی۔ ۱۴ سال کی عمر میں انھوں نے اپنا پہلا ناول، **احمد خلیل**، لکھنا شروع کیا جس کے کردار و واقعات اس بات کی عکاسی کرتے ہیں کہ انھیں اُس عمر میں بھی عرب ثقافت اور اسلام سے گہرا لگاؤ تھا۔ اس ناول کی تکمیل اگرچہ پاکستان میں ہوئی تاہم اس کا پلاٹ اور ابتدائی ڈھانچہ انھوں نے امریکہ ہی میں تشکیل دے دیا تھا۔ اپنی تحریروں میں سے **احمد خلیل** انھیں سب سے زیادہ پسند تھا۔[۳۳] **احمد خلیل** کے بارے میں ان کی ایک سہیلی فاطمہ گرِم (Fatima Grimm)[۳۴] ایک خط میں لکھتی ہیں: "مت بھولو کہ یہی **احمد خلیل** ہے جو تمھیں اسلام تک لایا اور تم کو وہ بنایا جو تم آج ہو۔"[۳۵] فاطمہ کے جملے سے اس بات کا بہ خوبی علم ہوتا ہے کہ **احمد خلیل** نے ان کی مذہبی زندگی میں ایک کلیدی کردار ادا کرتے ہوئے انھیں اسلام کی طرف راغب کیا ہے۔ عمر فاروق، جنھوں نے اس ناول کا ابتدائیہ تحریر کیا ہے، وہ بھی اس بات کی نشان دہی کرتے ہیں کہ ۱۹۴۸ء میں جب یہ ناول لکھنا

30– Jameelah, *Memories of Childhood in America*, 194.

۳۱– یہ سکول بڑی حد تک سنڈے سکولوں (Christian Sunday Schools) کا جواب تھے اور ان کا مقصد یہودیوں کو سیکولر مضامین سے ہٹ کر عبرانی زبان اور یہودی تاریخ پڑھانا تھا۔

۳۲– مریم جمیلہ کے مذہب سے تعارف اور دیگر ادیان کے مطالعے کے بارے میں مزید معلومات کے لیے دیکھیے: ذوہیب احمد، "مریم جمیلہ کا ذہنی و فکری ارتقا: ایک تجزیاتی مطالعہ"، **فکر و نظر**، اسلام آباد، ۵۴: ۳، (۲۰۱۷)، ۸۹– ۱۱۶۔

33– Marya Khanum, interview by Zohaib Ahmad, Personal Library of Maryam Jameelah, November 22, 2016.

۳۴– فاطمہ گرم ایک جرمن خاتون تھیں جنھوں نے مسیحیت چھوڑ کر اسلام قبول کیا تھا۔

35– Fatima Heeren Sarka, *Fatima Heeren Sarka To Maryam Jameelah*, (Lahore: Personal Library of Maryam Jameelah, 1968).

شروع کیا گیا تو مصنفہ ایک ملحدہ تھیں۔ تاہم ۱۹۶۱ء میں احمد خلیل سے وابستگی نے انھیں اسلام کی طرف راغب کر دیا اوور وہ صرف نام ہی کی یہودی رہ گئیں۔(۳۶) فلسطینی ریاست پر یہودی قبضے کے خلاف لکھے جانے والے اس ناول میں عرب کے قبائلی دور کو دکھایا گیا ہے۔ اخوان المسلمین کے فلسطینی ریاست کے تحفظ کے لیے دن رات کام کرنے کو اجاگر کرتے ہوئے انھوں نے عربوں کو یہودی مظالم سہنے والوں اور انسانیت کے نام پر دشمن کو معاف کرنے والوں کے طور پر پیش کیا ہے۔ مثلاً ایک جگہ وہ صیہونیوں کے فلسطینیوں پر حملے کے متعلق لکھتی ہیں کہ کس طرح احمد خلیل کے نانا، شیخ اسحاق بن ابراہیم، جو قبیلے کے سردار بھی ہیں، قیدی بن جانے والے صیہونیوں کے قتل کی مخالفت کرتے ہیں۔ وہ ان قیدیوں کی نگہبانی نہ صرف اس لیے کرواتے ہیں کہ وہ بھاگ نہ سکیں بلکہ اس میں یہ غرض بھی پوشیدہ ہوتی ہے کہ گاؤں کے لوگ ان قیدیوں کو نقصان نہ پہنچا دیں۔(۳۷) اس واقعے سے جہاں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ عربوں کی حمایت کا جذبہ بچپن ہی سے ان کے دل میں جڑ پکڑ چکا تھا، وہیں یہ بھی پتا چلتا ہے کہ وہ صیہونیت کو پر امن فلسطینی مسلمانوں پر(۳۸) ہونے والے مظالم کا ذمہ دار سمجھتی تھیں۔ ان کی تحریروں سے مجموعی طور پر بھی یہودیت سے کنارہ کشی اختیار کرنے کی وجوہ میں سے صیہونیت کی عرب دشمنی کا کردار واضح طور پر نظر آتا ہے۔

امریکہ میں مقیم جمیلہ کا خاندان مکمل طور پر مسیحی رنگ میں رنگا گیا تھا مگر پھر بھی وہ غیر یہود میں شادی نہیں کرتے تھے۔ اس خاندان نے یہودی روایت کی پیروی کرتے ہوئے شادیاں یہودی گھرانوں ہی میں کیں جس کی وجہ سے ان کا خاندان خالص یہودی النسل تھا۔(۳۹) مارگریٹ کو نہ ہی مسیحیت سے دل چسپی تھی اور نہ ہی صیہونیت سے۔ نوجوانی میں Mizrachi Hatzair نامی ایک تنظیم سے تعلق سے انھیں بہت جلد اس بات کا

36– Maryam Jameelah, *Ahmad Khalil: The Story of a Palestinian Refuge and His Family* (Lahore: Mohammad Yusuf Khan, 1979), vi.

37– Ibid., 20-21.

۳۸– ۱۹۴۸ء میں دیر یاسین کے پُر امن فلسطینی باشندوں کے قتلِ عام کو علامتی طور پر فلسطین کی تباہی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ دیکھیے:

Matthew Hogan, “The 1948 Massacre at Deir Yassin Revisited,” *Historian* 63, no. 2 (2001): 1; Donald E. Wagner and Walter T. Davis, *Zionism and the Quest for Justice in the Holy Land* (Cambridge: Lutterworth Press, 2014), 206.

۳۹– مریم جمیلہ کی لائبریری میں موجود چند صفحات پر مبنی ایک قلمی نسخے سے پتا چلتا ہے کہ صرف ان کے ایک چچا جولین ہی نے ایک مسیحی خاتون سے شادی کی تھی۔

اندازہ ہو گیا کہ صیہونیت مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان نفرت کو فروغ دے رہی ہے۔[۴۰] ان کے والد، ہربرٹ مارکس، مذہب کو ایک معاشرتی ضرورت کے طور پر دیکھتے تھے۔ مارگریٹ کے قبول اسلام سے بہت پہلے ہی وہ ایتھیکل کلچرل سوسائٹی (Ethical Cultural Society) کے رکن بنے اور بعد میں انھوں نے اپنی بڑی بیٹی، بیٹی (Betty)، اور اس کے شوہر، والٹر (Walter)، کی طرح ہی یونیٹیرین چرچ کی رکنیت اختیار کر لی۔ وہ ان کے قبول اسلام کی اس لیے مخالفت کیا کرتے تھے کہ وہ سمجھتے تھے مسیحیت یا دہریت کے برعکس اسلام ابھی تک چوں کہ امریکی معاشرے کا حصہ نہیں بنا اس لیے اسے قبول نہیں کرنا چاہیے۔ وہ لکھتی ہیں کہ ان کے والدین، بہن اور رشتہ دار مذہبی رسومات، عقائد و عبادات سے ڈرتے تھے۔ رفتہ رفتہ ان کے والد کی بڑھتی عمر انھیں مسیحیت سے بھی دور کر کے دہریت کی طرف لے گئی۔[۴۱] وہ خود بھی ایک عرصہ تک ایتھیکل کلچر سکول (Ethical Culture School) پڑھنے کے لیے جاتی رہیں جس کے تعلیمی نظام نے انھیں دہریت کی طرف راغب کر دیا۔ وہ لکھتی ہیں کہ ان پانچ سالوں میں وہ مذہب سے اس قدر دور ہو گئیں کہ تمام روایتی مذاہب کو حقارت سے دیکھنے لگیں۔[۴۲] تاہم بعد میں وہ دہریت کو انسانیت کے لیے خطرہ سمجھنے لگی تھیں۔[۴۳] ابتدا میں تو انھوں نے زیادہ تر سیکولر تعلیم ہی حاصل کی تاہم بعد میں جب انھوں نے نیویارک یونی ورسٹی میں داخلہ لیا تو وہ شدت کے ساتھ مذہبی تعلیم کی طرف مائل ہو گئیں۔

ان کی کتب سے معلوم ہوتا ہے کہ دورانِ تعلیم ہی انھوں نے بہت سی مذہبی تحریکوں میں بھی شمولیت اختیار کی۔ یہودیت کے مطالعے نے انھیں عربوں کے تعلق سے روشناس کروایا اور جب انھیں پتا چلا کہ یہ دونوں قومیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہیں تو انھوں نے مسلمانوں کا مطالعہ شروع کر دیا۔ ان کا خیال تھا کہ امریکی

40– Maryam Jameelah, *Islam and Modernism* (Lahore: Mohammad Yusuf Khan & Sons, 1988), ix.

41– Jameelah, *Memories of Childhood in America*, 208.

42– Maryam Jameelah, *Islam Versus the West* (Lahore: Mohammad Yusuf Khan, 1984), 2.

۴۳– ان کا خیال تھا کہ جسمانی ضروریات کی طرح انسان کی کچھ روحانی ضروریات بھی ہوتی ہیں۔ اگرچہ سیکولر افراد اپنے نظریات اور دلائل کے ذریعے مذہبی عقائد کو غلط ثابت کرنے کی کوشش تو کرتے ہیں مگر وہ انسان کی روحانی ضروریات کے متعلق نہیں سوچتے۔ وہ استدلال کرتی ہیں کہ انسان کی روحانی ضروریات پوری نہ ہوں تو دیوانگی اور خودکشی کی صورت میں مضر نتائج سامنے آتے ہیں۔ دیکھیے:

Jameelah, *Islam in Theory and Practice*, 45.

یہودیوں نے مسیحی ثقافت کو اپنا کر اپنی شناخت کو دھندلا دیا تھا۔ اس لیے دورانِ تعلیم وہ یہ چاہتی تھیں کہ مشرق کا سفر کر کے نہ صرف عرب ثقافت کا مشاہدہ کریں بلکہ مسلمانوں کو مسیحی مشنریوں اور مغربی ثقافت کے اثرات سے بھی بچا سکیں۔[۴۴] نیویارک یونی ورسٹی میں ان کی ملاقات زینیٹا(Zenita) سے ہوئی جو ایک یہودی خاتون تھیں لیکن اسلام کی طرف رغبت رکھتی تھیں۔ زینیٹا شاید وہ پہلی فرد تھیں جن سے مارگریٹ کو اسلام کے بارے میں عملی طور پر جاننے میں مدد ملی۔ انھی کی مدد سے ان کی رسائی نیویارک کے شامی کوارٹرز تک ہوئی جہاں مختلف قومیتوں کے مسلمان حلیمہ نامی خاتون کے گھر اکٹھا ہو کر اسلامی موضوعات پر گفت گو کیا کرتے تھے۔ نفسیاتی مسائل کی وجہ سے مارگریٹ اپنی تعلیم جاری نہ رکھ سکیں۔ تقریباً دو سال تک وہ مختلف ہسپتالوں میں زیرِ علاج تو رہیں لیکن مکمل طور پر صحت یاب نہ ہو سکیں۔ جب وہ ہسپتال میں تھیں تو انھوں نے سوچا کہ "اگر میں کبھی اس قدر صحت مند ہو گئی کہ یہاں سے نکل سکوں، تو میں اسلام قبول کر لوں گی۔"[۴۵] تاہم بعد میں جب ان کے والدین انھیں گھر لے گئے تو انھوں نے فوراً اسلام قبول نہیں کیا اور امریکہ میں مقیم مسلمانوں سے ملنے کا سوچا۔

واشنگٹن میں ان کی ملاقات ڈاکٹر محمود فتح اللہ حب اللہ[۴۶] سے ہوئی جن کے ساتھ تقریباً تین گھنٹے تک انھوں نے اسلام کے متعلق گفت گو کی۔ ڈاکٹر حب اللہ نے انھیں اسلام کے فطری اور عقلی پہلوؤں سے روشناس کروایا۔ پہلے پہل تو وہ ڈاکٹر حب اللہ کی باتوں سے مطمئن تھیں لیکن پھر انھیں لگنے لگا کہ وہ ایک روایتی عالم کے بجائے ایک جدت پسند مفکر ہیں۔[۴۷] البتہ کچھ عرصہ گزرنے کے بعد وہ ان کی دانائی، حکمت اور راست بازی کی قائل ہو گئیں۔[۴۸] نیویارک میں مقیم مختلف مسلمانوں سے بھی انھوں نے ملاقاتیں کیں جن میں شیخ داؤد احمد فیصل اور خدیجہ فیصل سے ملاقات نے ان کے قبولِ اسلام میں ایک اہم کردار ادا کیا۔ خدیجہ فیصل سے انھوں نے اسلام کے عملی پہلو مثلاً وضو کرنا اور نماز وغیرہ پڑھنا سیکھا۔ اسلام قبول کرنے سے پہلے وہ مسجد میں جمعہ کی نماز کے لیے بھی جانے لگی تھیں۔[۴۹] ان کی تحریروں سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ وہ باقاعدہ اسلام قبول کرنے سے پہلے عملی طور پر

44– Jameelah, *Memories of Childhood in America*, 9.

45– Jameelah, *Islam and Modernism*, xi.

۴۶– محمود حب اللہ نام ور مسلم مفکر اور فلسفی تھے جو مختلف ممالک میں دہریت کے خلاف دیے جانے والے اپنے لیکچرز کی وجہ سے مشہور ہوئے۔

47– Jameelah, *Memories of Childhood in America*, 157.

48– Maryam Jameelah, *At Home in Pakistan (*1962-1989*): The Tale of an American Expatriate in Her Adopted Country* (Lahore: Adbiyat, 2012), 155-56.

49– Jameelah, *Memories of Childhood in America*, 162.

اس کو اختیار کرنا چاہتی تھیں۔ ۲۴؍ مئی ۱۹۶۱ء کو عید الاضحیٰ کے دن انھوں نے خدیجہ فیصل اور اپنی ایک سہیلی، بلقیس محمد، (۵۰) کی موجودگی میں شیخ داؤد احمد فیصل کے ہاتھ پر کلمۂ شہادت پڑھا۔ شیخ فیصل ہی نے ان کا نیا نام تجویز کیا اور وہ مارگریٹ مارکس سے مریم جمیلہ بن گئیں۔

اسلام قبول کرنے سے پہلے انھوں نے نام ور مسلم علما سے خط و کتابت بھی شروع کر دی تھی تاکہ وہ زیادہ سے زیادہ مسلمانوں کے متعلق جان سکیں۔ انھوں نے سید ابو الاعلیٰ مودودی کا آخرت کے موضوع پر لکھا گیا ایک مضمون پڑھ رکھا تھا جس سے وہ کافی متاثر تھیں۔(۵۱) دیگر علما کے ساتھ ساتھ انھوں نے خط و کتابت کے ذریعے سید مودودی سے بھی رابطہ کیا۔ مودودی صاحب نے انھیں پاکستان ہجرت کرنے کی دعوت دی جو انھوں نے فوراً تو قبول نہ کی تاہم دو سال بعد وہ ہجرت کر کے پاکستان آ گئیں اور ان کی بیٹی بن کر ان کے خاندان کے ساتھ رہنے لگیں۔ نفسیاتی مسائل نے پاکستان آ کر بھی ان کا پیچھا نہ چھوڑا۔ کچھ عرصے تک تو معاملات ٹھیک رہے تاہم جلد ہی سید مودودی کے گھرانے کے ساتھ ان کے تعلقات بگڑنے لگے جس کی وجہ سے انھیں پتو کی بھیج دیا گیا اور کچھ عرصہ بعد انھیں وہاں سے ذہنی امراض کے ہسپتال منتقل کر دیا گیا، تاہم وہ جلد ہی صحت یاب ہو گئیں۔ ان کی لائبریری میں موجود مختلف خطوط، خود نوشت، سوانح عمریوں اور حالاتِ زندگی سے پتا چلتا ہے کہ اگست ۱۹۶۳ء میں جب انھیں ہسپتال سے فارغ کیا گیا تو اس وقت کے بعد سے انھیں کسی قابلِ ذکر نفسیاتی مسئلے کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ ہسپتال میں قیام کے دوران میں بھی ان کی بیماری اس قدر شدید نہ تھی جتنی وہ امریکہ میں محسوس کرتی تھیں۔ یقیناً انھیں اپنے معالج کے طریقۂ علاج سے افاقہ ہوا ہو گا تاہم وہ خود اس بات پر کامل یقین رکھتی تھیں کہ ان کی بحالیِ صحت کی اصل وجہ ان کا اسلام قبول کرنا تھا۔(۵۲) صحت یاب ہونے کے بعد انھوں نے محمد یوسف خان سے شادی کر لی اور اپنی بقیہ زندگی لاہور میں گزار دی۔ ان کے امریکہ میں مقیم اپنے اہلِ خانہ سے روابط خوش گوار تھے اور تادمِ حیات وہ باہم خط و کتابت بھی کرتے رہے تھے۔(۵۳) ۳۱؍ اکتوبر ۲۰۱۲ء کو ۷۸ سال کی عمر میں دل کا دورہ پڑنے سے ان کا انتقال

۵۰– بلقیس محمد بھی ایک نو مسلم خاتون تھیں جنھوں نے مسیحیت کو چھوڑ کر اسلام قبول کیا تھا۔

51– Maryam Jameelah and Abul A'lā Mawdūdī, *Correspondence Between Maulana Maudoodi and Maryam Jameelah* (Lahore: Mohammad Yusuf Khan, 1969), 1.

۵۲– وہ اسلام کو ایک مکمل نفسیاتی اور ذہنی علاج سمجھتی ہیں۔ مزید تفصیلات کے لیے دیکھیے:

Maryam Jameelah, *Western Civilization Condemned by Itself: A Comprehensive Study of Moral Retrogression and Its Consequences*, (Lahore: Mohammad Yusuf Khan, 1971), 1: XII.

۵۳– مریم جمیلہ کی اپنے خاندان کے ساتھ خط و کتابت شائع ہو چکی ہے، تاہم بہت سے ایسے خطوط ابھی تک لاہور میں ان کی لائبریری میں موجود ہیں جنھیں شائع نہیں کیا گیا۔

ہوا۔ انھوں نے ۱۱ر کتابیں اور ۲۳ر کتابچے تحریر کیے اور سینکڑوں کتابوں پر تبصرے بھی کیے۔

قبولِ اسلام پر اثر انداز ہونے والے عوامل

مریم جمیلہ کے قبولِ اسلام پر اثر انداز ہونے والے بڑے عوامل درج ذیل ہیں:

مطالعۂ قرآن مجید

وہ اپنی خود نوشت میں لکھتی ہیں کہ جب دوسری مرتبہ ان کا نروس بریک ڈاؤن ہوا تو وہ بیماری کی حالت میں اپنے بستر پر تھیں۔ ان کی والدہ نے ان سے کہا کہ وہ باہر جا رہی ہیں، اگر انھیں کسی چیز کی ضرورت ہے تو وہ لیتی آئیں گی۔ انھوں نے اپنی والدہ سے قرآن مجید کا ترجمہ لانے کی فرمائش کی۔ دو صدیاں پہلے جرمن یہودیوں کے لیے کسی دوسرے مذہب کی کتاب شجر ممنوعہ کا درجہ رکھتی تھی۔[۵۴] انھیں عبرانی اور یدیش (Yiddish) کے سوا کوئی اور زبان سیکھنے یا سکھانے سے سختی سے منع کیا جاتا تھا۔ اگر کسی دوسری زبان میں لکھی گئی کتاب کسی یہودی کے ہاتھ میں دیکھ لی جاتی تو یہودی ربی (Rabbi) اسے شہر بدر کر دیتے تھے۔[۵۵] مینڈلزن کی اصلاحی تحریک کے بعد یہودیوں کو اس بات کی آسانی ہو گئی تھی کہ وہ دوسرے مذاہب کو پڑھ سکتے تھے اور اجنبی زبانیں سیکھ سکتے تھے۔ اس لیے ایک اصلاح پسند یہودی ہونے کی وجہ سے جب انھوں نے لائبریری سے قرآن مجید کا ترجمہ لانے کی فرمائش اپنی والدہ سے کی تو وہ بغیر کسی ردّ و قدح کے مان لی گئی۔ علاوہ ازیں، اس کی ایک اور بڑی وجہ امریکی تہذیب و ثقافت کے اثرات بھی ہو سکتے ہیں۔ چوں کہ امریکہ کے سیکولر ہوتے ہوئے معاشرے[۵۶] میں یہودی ربیوں کا زیادہ عمل

54– Gertrud Reershemius, "Jewish Culture and Literature," in *Encyclopedia of German Literature*, ed. M. Konzett (Chicago: Taylor & Francis, 2015), 532.

55– Emanuel Schreiber, *Reformed Judaism and Its Pioneers: A Contribution to Its History* (Carolina: BiblioBazaar, 2012), 14.

۵۶– دہریت اُس وقت نہ صرف امریکہ بلکہ دوسرے مغربی ممالک میں بھی بڑی تیزی سے اپنے قدم جما رہی تھی۔ اس بارے میں مریم جمیلہ کی ایک سہیلی بتول اینجل مارکڈ (Batool Angell Morchid) جو خود بھی ایک نو مسلم خاتون تھیں، لکھتی ہیں: "علاوہ ازیں، تمہارے (مارگریٹ کے) معاملے میں، وقت اور ماحول سے، جب تم نے اسلام قبول کیا صرفِ نظر نہیں برتنا چاہیے۔ پچاس کی دہائی کے اواخر اور ساٹھ کی دہائی کے اوائل میں یورپ اور امریکہ بہت سی تبدیلیوں سے گزر رہے تھے، ایک نئی قسم کا جدید دور شروع ہو گیا تھا اور اس کے ساتھ ہی اخلاقی اور سماجی اقدار روبہ زوال ہو رہی تھیں۔ لوگوں کی ایک کثیر تعداد نے اس تبدیلی کو پسند نہیں کیا اور بہت سے مذہبی مسیحی ٹیلی ویژن اور اخبارات پر آ کر چیختے چلاتے رہے لیکن سننے والے بہرے تھے۔ یہ نئی قسم کی خود مختاری اور نام نہاد آزادی لوگوں کے ذہن پر مسلط ہو گئی تھی اور جس نے مذہبی بنیاد پر

دخل نہیں تھا، اس لیے ویسے بھی اصلاح پسند یہودیت نے جرمنی کی نسبت امریکہ میں زیادہ فروغ پایا۔[۵۷]

جمیلہ نے قرآن مجید کے متعلق بہت سخت تنقید پڑھ رکھی تھی تاہم ابھی تک انھوں نے براہ راست اس کا مطالعہ نہیں کیا تھا۔ جب ان کی والدہ واپس آئیں تو وہ ان کے لیے جارج سیل (George Sale)[۵۸] کا ترجمۂ قرآن لے آئیں۔ اول اول تو انھیں لگا کہ قرآن مجید نے **عہد نامہ قدیم** ہی کے قصوں کو ذرا بہتر انداز میں دوبارہ پیش کرنے کی کوشش کی ہے،[۵۹] تاہم وہ اس بات سے پوری طرح آگاہ تھیں کہ وہ اصل متن نہیں بلکہ ایک ایسا ترجمہ پڑھ رہی ہیں جو ایک غیر مسلم کا کیا ہوا ہے۔ ترجمے کے اطراف میں موجود حواشی نے انھیں اس بات کا قائل کر دیا کہ "یہ شخص (جارج سیل) متعصب ہے تو لازمی اس کا ترجمہ بھی تعصب پر مبنی ہو گا۔"[۶۰] بعد ازاں، انھوں نے محمد مارماڈیوک پکھتال (Muhammad Marmaduke Pikthall)[۶۱] کا ترجمۂ قرآن پڑھا جس نے انھیں یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ اسلام ہی سچا مذہب ہے جو "قطعی طور پر مخلص اور راست باز ہے، جو کسی قسم کی فرسودہ مفاہمت اور منافقت سے پاک ہے۔" وہ نو مسلموں کو پکھتال ہی کا ترجمہ پڑھنے کی سفارش کرتی ہیں۔ اس کی بڑی وجہ شاید یہ تھی کہ پکھتال خود بھی ایک نو مسلم تھے جنھوں نے مسیحیت کو چھوڑ کر اسلام قبول کیا تھا۔ اس لیے انھوں نے ترجمہ کرتے وقت ان امور کو مد نظر رکھا ہے جن کی وضاحت ایک نو مسلم کو درکار ہوتی ہے۔ قرآن پاک کے مطالعے سے انھیں درج ذیل تصورات کی وضاحت میں بھی مدد ملی۔

تصورِ خدا

زندگی کے مختلف مراحل میں خدا کے متعلق مارگریٹ کے تصورات تبدیل ہوتے رہے ہیں۔ اپنے والدین سے انھیں اس بارے میں معلومات نہ مل سکیں۔ بڑی حد تک ان کا ابتدائی تصورِ خدا مسیحیت کے تصورِ خدا سے عبارت تھا۔ لاہور سے تعلق رکھنے والے ایک وکیل ان کے قلمی دوست تھے۔ انھوں نے ایک دفعہ مارگریٹ

اس کو تنقید کا نشانہ بنایا اس کو ذلیل کیا گیا۔" دیکھیے:

Batoul Angell Morchid, "Batoul Angell Morchid To Maryam Jameelah," (Lahore: Personal Library of Maryam Jameelah, 2011).

57– Thomas Kolsky, *Jews Against Zionism: The American Council for Judaism, 1942-1948* (Philadelphia: Temple University Press, 1990), 20.

۵۸– جارج سیل نامور مسیحی محقق، مترجم، مفکر اور پادری تھے۔

59– Jameelah, *Islam Versus Ahl al-Kitab*, xxi.

60– Jameelah, *Memories of Childhood in America*, 90.

۶۱– محمد پکھتال ایک مشہور مسلم صحافی، مفکر اور مترجم تھے جنھوں نے مسیحیت چھوڑ کر اسلام قبول کیا تھا۔

سے تصور خدا کے متعلق پوچھا تو انھوں نے جواب دیا کہ خدا کے متعلق وہ ایک ایسے بوڑھے باریش آدمی کے طور پر سوچتی ہیں جو جنت میں اپنے تخت پر براجمان ہے۔ **لائف میگزین**، جس کے مطالعے کی وہ بچپن سے دل دادہ تھیں، میں چھپنے والی مائیکل اینجلو (Michelangelo)(۶۲) کی "تخلیق" (The Creation) اور "حقیقی گناہ" (Original Sin) کی تصاویر، اور Metropolitan Museum of Art میں موجود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بہت سی مصلوب شبیہوں نے انھیں خدا کے اس تصور کا قائل کیا تھا۔(۶۳) تاہم یہ بات ان کی سمجھ میں نہ آسکی کہ "کوئی حقیقت میں تثلیث پر کیسے یقین کر سکتا ہے"؟(۶۴) بعد ازاں، جب **عہد نامہ قدیم** نے انھیں یہوہ (YHWH)(۶۵) کی صورت میں یہودیوں کے تصورِ خدا سے روشناس کروایا تو وہ اسے ایک محدود نظریہ تصور کرنے لگیں۔ وہ لکھتی ہیں کہ "اگر خدا قادرِ مطلق ہے تو وہ کبھی بھی اپنی سچائی کو ایک قوم تک محدود نہیں کرے گا۔ سچائی کا اپنی فطرت میں عالم گیر ہونا ضروری ہے۔"(۶۶)

قرآن مجید کے مطالعے سے انھیں علم ہوا کہ خدا ایک علیم و خبیر ابدی ذات ہے۔ انھوں نے اپنی کتابوں میں ایسی آیات (مثلاً آیت الکرسی) کا حوالہ دیا ہے جو خدا کے تصور اور حیات بعد الموت کے متعلق ہیں۔ یہودی تصور خدا کی نسبت انھیں قرآن مجید کا تصور خدا زیادہ بہتر لگا۔ ان کا خیال تھا کہ قرآن مجید نے خدا کا جو تصور پیش کیا ہے وہ ان کے اپنے مزاج سے ہم آہنگ تھا۔ وہ سمجھتی تھیں کہ اسلام خدا کا ایک عالم گیر تصور پیش کرتا ہے جو یہودیت کے برعکس ہے۔(۶۷) ان کا استدلال ہے کہ تصورِ خدا انسان کی ضرورت ہے۔ انسان باوجود کوشش کے اخلاق کی رفعتوں تک ماخذ سے صرفِ نظر برت کر نہیں پہنچ سکتا۔ یعنی ان کے نزدیک اخلاق کا منبع خدا خود ہے اور انسان اخلاق کے اعلیٰ ترین مراتب خدا کی عطا کردہ تعلیمات کی پیروی ہی سے حاصل کر سکتا ہے۔ اگر وہ ایسا کرے گا تو نتیجہ افادیت پسندی، موقع پرستی اور مصلحت کوشی کی صورت میں نکلے گا جو انسانی نسل کی بقا کے لیے خطرہ ہو گا۔(۶۸) خدا کا تصور یقیناً جمیلہ کے لیے ایک بڑا چیلنج تھا، کیوں کہ جس ماحول میں ان کی پرورش ہوئی وہاں مذہبیت

۶۲– مائیکل اینجلو نام ور اطالوی سنگ تراش، مصور، شاعر اور ماہر فنِ تعمیر تھے۔

63– Jameelah, *Memories of Childhood in America*, 92.

64– Ibid., 11.

۶۵– ایک چار حرفی عبرانی نام جسے یہودی خدا کے لیے استعمال کرتے ہیں۔

66– Ibid., 108.

67– Jameelah, *Islam Versus the West*, 3.

68– Jameelah, *Memories of Childhood in America*, 107.

سے زیادہ دہریت کا رجحان تھا۔ اسی لیے ان کو اپنے والدین سے اس بارے میں کوئی معلومات نہیں مل سکیں۔ کوئی رہبر بھی میسر نہ تھا جو ان کو اسلام کے تصور خدا سے روشناس کرواتا۔ قرآن مجید کے تراجم سے انھوں نے اپنی مدد آپ کے تحت یہ تصور اخذ کیا جو بعد میں ان کے قبول اسلام کا سبب بھی بنا۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ قرآن مجید ترجمے کی صورت میں بھی اثر پذیری کی صلاحیت رکھتا ہے۔

تصورِ آخرت

اگرچہ **عہد نامہ قدیم** قیامت کے بارے میں تھوڑی بہت معلومات مہیا کرتا ہے،[۶۹] تاہم یہودیوں کے لیے آخرت کا واضح تصور ایک عقدہ ہی رہا ہے۔ یونانی ورومی دور نے یہودی تصورِ آخرت پر اپنا گہرا اثر چھوڑا، جس کی وجہ سے مابعد بائبل (Post-Biblical Era)[۷۰] دور کے ربیوں کو حیات بعد الموت کے تصور کے دفاع میں خاطر خواہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔[۷۱] مارگریٹ بھی اسی قسم کی مشکلات کی شکار تھیں۔ موت کا خوف ان کو بچپن سے پریشان کیے ہوئے تھا۔ وہ اس بات کو سوچتی رہتی تھیں کہ موت کے بعد کیا ہوگا۔ ان کے والدین کا خیال یہ تھا کہ حیات بعد الموت کے متعلق سوچنے سے بہتر ہے کہ آج کی زندگی سے لطف اندوز ہوا جائے۔ اس لیے وہ قیامت کے دن پر یقین کو توہم پرستی میں شمار کرتے تھے۔[۷۲] تاہم وہ اپنے والدین کے اس نقطۂ نظر سے متفق نہیں تھیں۔ ان کا خیال تھا کہ یہ لازمی نہیں کہ آج کی خوشیاں کل کے لیے بھی پیغام راحت بنیں، اس لیے انسان کو اپنی آخرت کے متعلق ضرور سوچنا چاہیے۔

انھیں گریجویشن میں یہ پڑھایا گیا تھا کہ اخلاقی اقدار مذہب سے ماورا ہیں۔ انسان اپنی ذات میں اچھا ہے، اس لیے اسے خود کو اچھا بنانے کے لیے کسی دوسری شے کی حاجت نہیں ہے۔ لہٰذا انھیں آخرت یا حیات بعد الموت سے ڈرنا نہیں چاہیے۔[۷۳] تاہم وہ خود اس بات کی طرف مائل تھیں کہ اگر اخلاقی اقدار انسان کی بنائی ہوئی ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ یہ وقت اور حالات کے ساتھ بدل جاتی ہیں۔ اگر یہ درست ہے تو اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ سچائی وقت اور حالات کے ساتھ بدل سکتی ہے جو کہ ایک ناممکن بات ہے۔ لہٰذا وہ عقیدۂ آخرت کو محض انسانی ایجاد

۶۹– مثلاً دیکھیے: زبور، ۱:۲۸؛ ۶:۵؛ ایوب، ۲۲:۲۸؛ ۲۳:۳۰۔

۷۰– بائبل کی تدوین کے بعد کا دور جسے عموماً چھ حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے، مابعد بائبل دور کہلاتا ہے۔

71– Dan Cohn-Sherbok, *Judaism: History, Belief and Practice* (London: Routledge, 2003), 456.

72– Jameelah, *Islam Versus Ahl al-Kitab*, xxiv.

73– Jameelah, *Memories of Childhood in America*, 45.

نہیں بلکہ ایک ضرورت سمجھتی تھیں۔ ان کا خیال تھا کہ آخرت کے عقیدے کی وجہ سے ہی اخلاقیات پروان چڑھتی ہیں۔ وہ یہ سوچا کرتی تھیں کہ اگر خدا اخلاقی و روحانی اقدار کا مصدر ہے تو انسان براہِ راست خدا کو جواب دہ ہے۔ انسان کو زندگی اس لیے دی گئی ہے کہ وہ اپنے آپ کو دنیا میں بہتر ثابت کرے تا کہ آخرت میں وہ سزا سے بچ سکے۔[۷۴] اس بارے میں وہ لکھتی ہیں:

> میں نے تلخ تجربات سے یہ جانا ہے عیش پرستی شامت اعمال کو آواز دیتی ہے اور کچھ اچھا یا حتیٰ کہ قابلِ ذکر بھی اپنے آپ کو مشکل میں ڈال کر ایثار کے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔ میں بچپن ہی سے یہ چاہتی تھی کہ کوئی اہم اور بامعنی کام انجام دے سکوں۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ اپنی موت سے پہلے میں اس بات کی یقین دہانی چاہتی تھی کہ میں نے اپنی زندگی کو برے کاموں یا فضول سرگرمیوں میں ضائع نہیں کیا۔[۷۵]

درج بالا اقتباس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ زندگی کے مقصد کی تلاش نے ان کو مذاہب عالم کے مطالعے کی طرف مائل کیا۔ وہ اپنی زندگی کو کسی مفید کام پر صرف کرنا چاہتی تھیں تا کہ اپنی آخرت کا سامان کر سکیں۔ اپنے سوالات کے جوابات انھوں نے **عہد نامہ قدیم** اور **تالمود** سے حاصل کرنے چاہے تاہم یہاں ناکامی ہی ان کے ہاتھ آئی۔ وہ لکھتی ہیں کہ **تالمود** آخرت کے متعلق معلومات فراہم نہیں کرتی بلکہ اس بات کا عندیہ دیتی ہے کہ دنیا کی بدترین زندگی بہترین موت سے اچھی ہے۔ یونی ورسٹی میں دورانِ تعلیم انھوں نے ابراہیم اسحاق کیتس کی سرپرستی میں ”اسلام میں یہودیت“ کے عنوان سے ایک مضمون پڑھا۔ کیتس نے اپنے دلائل سے مارگریٹ کو حیات بعد الموت اور آخرت کے عقیدے کا معتقد کر دیا۔ بعد ازاں، جب انھوں نے قرآن مجید کا مطالعہ کیا تو انھیں لگا کہ اسلام نے عقیدۂ آخرت کو وضاحت کے ساتھ پیش کیا ہے۔ اس ضمن میں وہ لکھتی ہیں کہ اگرچہ **عہد نامہ قدیم** کی نسبت **عہد نامہ جدید** میں قیامت اور حیات بعد الموت کا نسبتاً واضح تصور موجود ہے تاہم قرآن مجید کے مقابلے میں **عہد نامہ جدید** کی وضاحت مبہم لگتی ہے۔ اس لیے وہ اس بات کی قائل ہیں کہ اسلام نے عقیدۂ آخرت کو زیادہ بہتر انداز میں پیش کیا ہے۔[۷۶] قرآن مجید کے مطالعے کے بعد وہ یہ نتیجہ اخذ کرتی ہیں کہ ”زندگی کا مقصد مکمل اطاعت و فرماں برداری سے خدا کی خوشنودی کا حصول۔۔۔ اور آخرت میں ابدی نجات کا مستحق بننا ہے۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق زندگی پھولوں کی سیج نہیں بلکہ ایک امتحان ہے۔“[۷۷] ان کے لیے یہ جان لینا بہت اہمیت کا حامل تھا کہ خدا کی خوشنودی کے لیے کیا گیا ہر عمل اس کے ہاں مقبول ہے۔ چاہے اس کا دنیا میں صلہ نہ ملے آخرت

74– Jameelah, *Islam Versus the West*, 5.

75– Jameelah, *Islam Versus Ahl al-Kitab*, xxv.

76– Ibid.

77– Jameelah, *Western Civilization Condemned by Itself*, 1: XII.

میں خدا اس کا صلہ دے گا۔(۷۸) اس بات نے انھیں زندگی کا ایک مقصد دے دیا جس کی وہ ایک عرصے سے متلاشی تھیں۔

عہد نامہ قدیم کا تصورِ انبیا

عہد نامہ قدیم کے مطالعے سے جہاں انھیں عقیدۂ آخرت کی کوئی واضح تشریح نہیں ملی وہیں یہ بات بھی واضح ہوئی کہ **عہد نامہ قدیم** کا تصور انبیا بھی درست نہیں ہے۔ وہ دعویٰ کرتی ہیں کہ **عہد نامہ قدیم** نے مختلف انبیا مثلاً حضرت نوح، داؤد اور سلیمان علیہم السلام کی زندگیوں کو غیر منصفانہ انداز میں پیش کیا ہے۔ وہ یہ جواز پیش کرتی ہیں کہ **عہد نامہ قدیم** نے جس طرح انبیا کو قتل، زنا، دھوکہ اور شرک جیسی باتوں کا مرتکب ٹھہرایا ہے وہ انھیں ناممکن معلوم ہوتا ہے۔ اور اگر بالفرض ایسا ہوا بھی ہے تو انبیا کو اس بات کی سزا ملنی چاہیے تھی۔ لیکن **عہد نامہ قدیم** ان کی دنیاوی یا اخروی سزا کے متعلق خاموش ہے۔(۷۹) ان کا خیال ہے کہ جس طرح حضرت ایوب علیہ السلام کے قصے کو **عہد نامہ قدیم** میں قلم بند کیا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہودیت ایک مادہ پرست مذہب ہے جو آخرت کے بجائے دنیا کی زندگی ہی کو فوقیت دیتا ہے۔ وہ لکھتی ہیں کہ جب حضرت ایوب علیہ السلام اللہ کی رحمت سے اپنے طویل اور صبر آزما امتحان میں کامیاب ہوئے تو انھیں دنیا کی نعمتوں سے تو نوازا گیا" تاہم یہ بات غور طلب ہے کہ آخرت میں ان کے انعام کے متعلق کچھ بھی بیان نہیں کیا گیا۔"(۸۰) ان کے تجزیے سے پتہ چلتا ہے کہ وہ بچپن سے ہی عصمت انبیا علیہم السلام کی قائل تھیں اور یہ یقین رکھتی تھیں کہ ان کی ذات سے اس طرح کے گناہ سرزد نہیں ہوسکتے۔ ایسے لوگ نبی نہیں ہوسکتے جو خود شریعت کے قوانین سے روگردانی کریں۔ جس طرح انھوں نے حضرت ایوب علیہ السلام کے قصے پر اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے اس سے پتا چلتا ہے کہ وہ **عہد نامہ قدیم** کو حالیہ مادیت پرستی کا ذمہ دار سمجھتی ہیں۔

محمد اسد کی کتب کا مطالعہ

اگرچہ مریم جمیلہ نے علامہ محمد اقبال، سید ابو الاعلیٰ مودودی، مارماڈیوک پکھتال سمیت بہت سے مسلم مفکرین کی کتابوں کو پڑھا تھا تاہم یہ کہا جاسکتا ہے کہ محمد اسد کی کتب نے ان کو سب سے زیادہ متاثر کیا۔ اس کی وجہ صرف یہی نہیں تھی کہ محمد اسد خود ایک جرمن یہودی تھے جو بعد میں مشرف بہ اسلام ہوئے بلکہ محمد اسد کا طرز

78– Jameelah, *Islam Versus Ahl al-Kitab: Past and Present*, xxvi.

۷۹– مریم جمیلہ اپنی کتب میں **عہد نامہ قدیم** کے بہت سے قصوں کا ذکر کرتی ہیں جن کے مطالعے کے بعد وہ ان نتائج تک پہنچیں۔ مزید تفصیلات کے لیے دیکھیے: Ibid., 34-35.

80– Ibid., 53.

تحریر اور مسلم دنیا کے ان کے اسفار نے بھی جمیلہ کی توجہ اپنی طرف مبذول کروائی۔ وہ محمد اسد کی شہرۂ آفاق کتاب *The Road to Mecca* سے بہت متاثر تھیں اور اپنی تصانیف میں بارہا اس بات کا ذکر کرتی ہیں کہ کس طرح اس کتاب نے انھیں اسلام قبول کرنے اور ہجرت کرنے کی ہمت اور ترغیب دی۔[۸۱]

لاہور میں موجود ان کی ذاتی لائبریری سے راقم الحروف کو *My Life Story: An American Muslim Convert Between Two Worlds: 1934-1975* کے عنوان سے لکھی گئی چند صفحات پر مبنی ایک دستاویز حاصل ہوئی ہے جس کے پہلے صفحے پر انھوں نے لکھا ہے کہ یہ معلومات چوں کہ ذاتی قسم کی ہیں اس لیے وہ یہ نہیں چاہتیں کہ ان کی زندگی میں اسے شائع کیا جائے۔ البتہ اپنی وفات کے بعد اس تحریر کے استعمال کی اجازت انھوں نے "برطانیہ میں مقیم مسلمانوں اور مشرقی مذاہب کے ان مسلم اور غیر مسلم محققین کو دی ہے جو ایک ایسی نو مسلم امریکی خاتون کے تجربات کا مطالعہ کرنا چاہتے ہیں جس نے اپنی مغربی زندگی کو خیر آباد کہہ کر اپنی رضامندی سے مشرق کے ایک ملک میں رہنے کو ترجیح دی۔"[۸۲] اس دستاویز میں انھوں نے قبولِ اسلام، پاکستان میں گزری زندگی اور مغربی تہذیب کی جانب اپنے سخت رویے کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔

اپنی اور محمد اسد کی زندگی اور قبولِ اسلام کے عمل کا تقابل کرتے ہوئے لکھتی ہیں کہ "نفسیاتی عوامل جو اُن (محمد اسد) کی مذہبی تبدیلی میں رہ نما ثابت ہوئے، ان کی مغربی ثقافت اور اس سے متعلق ہر شے سے دوری کا سبب بنے، ان کو مسلم سرزمینوں کی تجدید کی مخالفت کی طرف لے گئے اور ان کی تحریروں کا موضوع بنے، ٹھیک وہی ہیں جو میں نے بھی اختیار کیے۔"[۸۳] وہ محمد اسد اور اپنی زندگی کا تجزیہ کرتے ہوئے کچھ فرق بھی بیان کرتی ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ محمد اسد کے ۱۹۲۲ء سے ۱۹۳۲ء کے درمیان کیے گئے مختلف ممالک کے سفروں نے انھیں مغربی تہذیب سے دور کر کے عرب ثقافت سے قریب کر دیا جو بعد میں ان کے قبول اسلام کا سبب بنا۔ تاہم محمد اسد اور ان کے درمیان ایک نسل سے زیادہ کا فرق تھا جو دونوں کے قبولِ اسلام اور ہجرت پر اثر انداز ہوا۔ ایام نوجوانی میں محمد اسد نے جب عرب ممالک کے دورے کیے تو ابھی تک مشرقی تہذیب و ثقافت پر مغربی اثرات نہیں پڑے تھے۔

81– Maryam Jameelah, *A Great Islamic Movement in Turkey: Badee-u-Zaman Said Nursi* (Lahore: Mohammad Yusuf Khan, 1981), 3; Maryam Jameelah, review of *Islam at the Crossroads*, by Muhammad Asad. *Muslim World Book Review* 5, no. 4 (1985): 41; Jameelah, *Memories of Childhood in America*, 109; 68; 210.

82– Maryam Jameelah, "My Life Story: An American Muslim Convert Between Two Worlds, 1934-1975" (Lahore: Personal Library of Maryam Jameelah, 1975).

83– Ibid.

البتہ جب انھوں نے اسلام قبول کیا تو مسلم دنیا پر مغربی رنگ چڑھ چکا تھا۔ ایک اور واضح فرق ان کے خیال میں جنس کا تھا۔ عورت ہونے کے ناطے انھیں وہ مواقع میسر نہیں آئے جو مرد ہونے کی وجہ سے محمد اسد کو حاصل ہوئے تھے۔ وہ لکھتی ہیں کہ محمد اسد نے مختلف ممالک کا دورہ کر کے وہاں کی تہذیب وثقافت کا عملی مشاہدہ کیا جب کہ وہ خود ایسا نہیں کر سکیں۔ انھوں نے محمد اسد کے قبولِ اسلام کو بھی دو مختلف درجوں پر بیان کیا ہے: ان کا اسلام کو بہ طور مذہب اپنانا اور مغربی تہذیب کو چھوڑنا۔ یعنی یہودیت کو چھوڑ کر اسلام کو قبول کرنا اور مغربی تہذیب کو چھوڑ کر مشرقی تہذیب سے ناطہ جوڑ لینا۔ ٹھیک اسی طرح انھوں نے اپنے قبولِ اسلام کے عمل کو بھی دو مختلف درجوں پر بیان کیا ہے۔ وہ لکھتی ہیں:

> جب میں نے مولانا مودودی کی پاکستان میں رہائش پذیر ہونے کی پیشکش کو قبول کیا تو میں ایک ایسے مشرقی ماحول کا حصہ بننے کا سوچتی تھی جس کو محمد اسد نے نہایت عمدگی سے *The Road to Mecca* میں بیان کیا تھا۔ میں نے جب اسلام قبول کیا تو میرے لیے یہ صرف عقیدے کی تبدیلی نہ تھی بلکہ اس سے بھی زیادہ اہم میرا مغربی تہذیب کو چھوڑ کر اسلامی تہذیب کو اپنانا تھا۔ میں پاکستان ایک خالص اسلامی معاشرے کی تلاش کی امیدیں لیے آئی تھی؛ اس وقت کی طرح اب بھی میں ایک اسلامی معاشرے میں رہنے کی شدید ضرورت محسوس کرتی ہوں۔ (۸۴)

مریم جمیلہ کی تحریر سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ ان کے ہاں اسلام کا تصور صرف ایک مذہب کی حد تک نہیں ہے بلکہ اسلام ان کے لیے ایک مکمل تہذیب ہے، جس کی اپنی اخلاقیات، رسوم ورواج اور تعلیمات ہیں۔ ان کے لیے عقیدے کی تبدیلی کی طرح تہذیب کی تبدیلی بھی اہم تھی۔ یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ جس دور میں وہ اسلام قبول کر رہی تھیں وہ تہذیب اسلامی کے زوال کا زمانہ ہے۔ اس لیے اسلام کو بہ طور ثقافت اپنانا، وہ بھی ایسے ماحول میں جہاں ان کے والدین بھی مذہب کو ایک معاشرتی ضرورت کے تحت دیکھ رہے تھے، ایک کٹھن کام تھا۔ شاید اسی لیے انھوں نے اپنے قبول اسلام کے عمل میں کار فرما تہذیبی عنصر کو زیادہ فوقیت دی ہے۔

قبولِ اسلام

بہت سے دوسرے اصلاح پسند یہودیوں کی طرح مریم جمیلہ کے گھرانے کے تمام افراد نے اپنے آبائی مذہب سے قطع تعلق کر کے ایک نیا عقیدہ اختیار کر لیا تھا یا پھر دہریت کو اپنا لیا تھا۔ مریم جمیلہ نے اپنے خاندان کے برعکس مسیحیت کے بجائے اسلام کو بہ طور راہ ہدایت منتخب کیا۔ صرف مسیحیت ہی نہیں بلکہ انھوں نے بدھ مت یا ہندو مت کو بھی اپنانا پسند نہیں کیا۔ کیا وجہ تھی کہ انھوں نے اسلام کو دوسرے مذاہب پر فوقیت دی؟ انھوں نے یہ

84– Ibid.

کیوں کہا کہ اسلام "ہی فقط سچا مذہب ہے"؟(۸۵) اپنی تحریروں میں انھوں نے یہ بات واضح کر دی ہے کہ اسلام کی طرف ان کا رجحان کسی خواب یا روحانی تجربے کی وجہ سے نہیں ہوا تھا۔(۸۶) دوسرے نومسلموں کی طرح انھیں کبھی خواب میں محمد ﷺ کی زیارت نہیں ہوئی اور نہ ہی ان کے اسلام قبول کرتے وقت کوئی ان ہونی بات وقوع پذیر ہوئی۔ وہ لکھتی ہیں کہ اگر کوئی ان سے پوچھے کہ انھوں نے کیوں اسلام قبول کیا ہے؟ تو وہ یہ کہہ دینا مناسب محسوس کرتی ہیں کہ ان کے اپنے تجربات ہی ان کو قائل کر دینے کے لیے کافی تھے۔ وہ ہمیشہ ہی سے مسلمان تھیں؛ اور اسلام قبول کر لینے کے بعد ان کے دل میں کسی قسم کی کوئی اساسی تبدیلی واقع نہیں ہوئی ہے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد انھیں محض یہ محسوس ہوا کہ آج انھوں نے اس بات کا اعلان کر دیا ہے جس کے لیے وہ بہت دیر سے کوششیں کرتی رہی تھیں۔(۸۷) دوسرے مذاہب پر مریم جمیلہ کا اسلام کو فوقیت دینا ان کی تحریروں سے بڑی حد تک عیاں ہے، اس لیے یہاں ان وجوہات کو بیان کیا جا رہا ہے جن کی وجہ سے انھوں نے ان مذاہب کو نظر انداز کر کے اسلام قبول کیا۔

یہودیت سے علاحدگی کی وجوہات

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ ابتدا میں مریم جمیلہ الحاد کی طرف مائل ہوئی تھیں تاہم ابراہیم کیتس کے دلائل سننے کے بعد انھوں نے الحاد کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چھوڑ دیا۔ اصلاح پسند یہودیوں کے غیر مذہبی رویوں سے اکتا کر انھوں نے روایت پسند یہودیت (Orthodox Judasim) میں پناہ لی تھی۔(۸۸) تاہم وہ کیا اسباب تھے جن کی وجہ سے انھوں نے نہ صرف روایت پسند یہودیت بلکہ دوسرے یہودی فرقوں سے بھی کنارہ کشی اختیار کر لی؟ اس سوال کا ایک فوری جواب تو یہ ہو سکتا ہے کہ بچپن میں بعض یہودیوں کا ترش رویہ جمیلہ کے اس رجحان کی وجہ بنا۔(۸۹) تاہم ان کی تحریروں کے تقابلی جائزے سے پتا چلتا ہے کہ یہودیت میں حیات بعد الموت کے تصور کی مبہم وضاحت، اس میں عالم گیر روحانی پیغام کا فقدان،(۹۰) شعب اللہ المختار کا نظریہ،(۹۱) یہودیوں کی قوم پرستی اور

85– Jameelah, *Memories of Childhood in America*, 91.

86– Jameelah, *Islam and Western Society*, 3.

87– Ibid.

88– Jameelah, *Memories of Childhood in America*, 30-31.

89– Ibid., 87.

90– Jameelah, *Islam in Theory and Practice*, 8.

91– Maryam Jameelah, review of *They Must Go!*, by Rabbi Meir Kahane. *Muslim World Book Review* 4, no. 3 (1984): 32.

نسل پرستی،(۹۲) پیدائشی یہودی کا تصور،(۹۳) یہودیوں کا مادیت پرستی کی طرف رجحان اور صیہونیوں کے ہاتھوں عربوں کا استحصال،(۹۴) وہ وجوہات تھیں جن کی وجہ سے انھوں نے نہ صرف روایت پسند یہودیت بلکہ کلی طور پر یہودیت ہی کو چھوڑ دیا تھا۔

مسیحیت قبول نہ کرنے کی وجوہات

اگرچہ اپنے بچپن میں مریم جمیلہ نے جس قسم کے ماحول میں پرورش پائی تھی وہ یہودیت سے زیادہ مسیحی اقدار سے عبارت تھا تاہم انھیں اپنے گھرانے کے برعکس مسیحیت کو قبول کرنے میں دل چسپی نہیں ہوئی۔ ان کی تحریروں سے پتا چلتا ہے کہ عقیدۂ تثلیث، خدا کا جسمانی تصور، رہبانیت اور پادریوں کا کردار، حقیقی گناہ (Original Sin) کا عقیدہ(۹۵) تصور آخرت کی مبہم وضاحت، مسیحیوں کا پندرہ سو سال تک یہودیوں کو قتل کرنا، مادیت اور دہریت کو قبول کرنا، صیہونیت کو مدد فراہم کرنا اور سیکولرازم کو بہ طور اصول ماننا۔(۹۶) وہ واضح وجوہات تھیں جن کی وجہ سے وہ مسیحیت سے دور رہیں۔

بہائیت سے علاحدگی کی وجوہات

اصلاح پسند یہودیت سے عدم اطمینان کے بعد مریم جمیلہ نے بہت سی مذہبی تنظیموں میں شمولیت اختیار کی جن میں Mizrachi Hatzair, Young Women's Jewish Association اور مرزا احمد سہراب کی بہائی تنظیم وغیرہ شامل تھیں۔ فاطمہ الزہراء اپنے ایم فل کے مقالے میں یہ تجزیہ پیش کرتی ہیں کہ شاید جب ”مغربی مذاہب“ مریم جمیلہ کو مطمئن نہ کرپائے تو انھوں نے ”مشرقی مذاہب“ کا مطالعہ کرنے کا سوچا اور اسی وجہ سے بہائی تنظیم میں شمولیت اختیار کی۔(۹۷) لیکن مریم جمیلہ اس کی ایک اور وجہ بیان کرتی ہیں۔ وہ لکھتی ہیں کہ

92– Jameelah, *Islam Versus Ahl al-Kitab*, 29.

۹۳– مریم جمیلہ یہ دعویٰ کرتی ہیں کہ یہودیت ایک قبائلی مذہب ہے اور اس کو صرف اور صرف یہودیوں ہی سے سروکار ہے لہٰذا ”شادی بیاہ سے ہوئے یہودی کو ہمیشہ شک کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور پیدائشی یہودی اسے کبھی بھی قبول نہیں کرتے۔“ اگر کوئی یہودی اپنی قوم کا وفادار ہے تو وہ یہودی ہی تصور کیا جاتا ہے؛ یہاں تک کے ایک دہریہ بھی اس نظریے کے مطابق یہودیت کو چھوڑ دینے کے بعد بھی یہودی رہ سکتا ہے۔ دیکھیے: *They Must Go!*, 32

94– Jameelah, *Islam and Western Society*, 2.

95– Jameelah, *Islam in Theory and Practice*, 8.

96– Jameelah, *Western Civilization Condemned by Itself*, 1: XI.

۹۷– فاطمہ الزہراء، **مریم جمیلہ: دینی و علمی خدمات** (ایم فل مقالہ، جامعہ پنجاب، ۲۰۱۰)، ۸۔

انھوں نے بہائی تحریک میں شرکت اس کے اسلامی ماخذ اور انسانیت کی برابری کے پرچار کی وجہ سے کی تھی۔ تاہم بعد ازاں جب انھوں نے محسوس کیا کہ بہائیت ایسا کرنے میں ناکام رہی ہے تو انھوں نے خود کو اس تحریک سے الگ کر لیا۔(۹۸) وہ تقریباً ایک سال تک بہائیت سے منسلک رہیں تھیں۔ انھوں نے مرزا سہراب کی صیہونیت کے لیے ہم دردی کو بھی محسوس کیا۔(۹۹) وہ خود صیہونیت کو پسند نہیں کرتی تھیں اس لیے ان کے بہائیت چھوڑنے کی ایک اور وجہ سہراب کی صیہونیت پسندی بھی ہو سکتی ہے۔

دیگر مذاہب قبول نہ کرنے کی وجوہات

اگرچہ مریم جمیلہ نے بدھ مت اور ہندو مت کو بھی پڑھا تھا مگر یہ دونوں مذاہب اُن کو اپنی طرف راغب نہ کر پائے۔ ایسپوزیٹو ان کی ابتدائی زندگی کے متعلق لکھتے ہیں کہ جہاں اُن کو بچپن ہی سے مشرق کے مطالعے کا شوق تھا وہیں وہ مغربی تہذیب و ثقافت کے متعلق تنقیدی نظر بھی رکھتی تھیں۔ اُن کی مصوری صرف مغربی نہیں بلکہ عالمی تھی جس میں مشرقی ممالک کی اقدار زیادہ نظر آتی تھیں۔(۱۰۰) بیماری کے دوران ایک معالج نے جب اُن کی اسلام میں دل چسپی محسوس کی تو وہ بہت حیران ہوئیں کہ جمیلہ نے ہندو مت یا بدھ مت کو کیوں نہیں چنا، کیوں کہ اُن کی معالج کے خیال میں اسلام کی نسبت یہ دونوں مذاہب زیادہ "مشرقی" تھے۔ مزید بر آں، اُن کی معالج نے انھیں اسلام میں تعدد ازواج اور پردے کے سخت قوانین کے متعلق بھی بتایا مگر ان کی اسلام سے دل چسپی میں کمی نہ ہوئی۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ ان کا اسلام کو بہ طور "راہ ہدایت" اختیار کرنا محض اس کے "مشرقی" مذہب ہونے کی وجہ سے نہ تھا بلکہ اسلام کی دیگر خصوصیات بھی ان کے مد نظر تھیں۔ ان کی تحریروں سے یہ بات واضح طور پر محسوس ہوتی ہے کہ جب وہ اپنے خیالات قلم بند کر رہی تھیں تو اس وقت ان کی توجہ کا مرکز اسلام، یہودیت اور مسیحیت تھے، لہٰذا دوسرے مذاہب کے متعلق ان کی مفصل آرا اس ضمن میں معلوم نہیں کی جا سکیں۔ اپنی تصانیف میں انھوں نے دیگر مذاہب پر بات کرتے وقت حوالہ جات بھی درج نہیں کیے جن سے یہ معلوم ہو سکے کہ ان کا مطالعہ ہندو مت، بدھ مت یا کنفیوشس مت کن کتب کا مرہون منت تھا۔ البتہ ان کی قبول اسلام کے بعد کی تحریروں سے یہ ضرور عیاں ہوتا ہے کہ ان مذاہب کے عقائد و عبادات اور رسوم و رواج سے ان کی آشنائی

98– Jameelah, *Islam and Modernism*, ix.

99– Jameelah, *Memories of Childhood in America*, 86.

100– Esposito and Voll, *Makers of Contemporary Islam*, 55.

تھی۔[۱۰۱] اپنی کتب میں بعض مقامات پر بھی انھوں نے اسلام، مسیحیت اور یہودیت کا موازنہ ہندومت اور بدھ مت وغیرہ سے کیا ہے۔[۱۰۲] تاہم یہ کہنا دشوار ہے کہ وہ کس حد تک ان مذاہب سے واقفیت رکھتی تھیں۔ البتہ یہ بات واضح ہے کہ انھوں نے اپنی تحریروں میں ایک مضمون بھی ایسا نہیں لکھا جو بہ طور خاص ہندومت، بدھ مت، جین مت، کنفیوشس مت یا تاؤمت وغیرہ کے متعلق ہو۔ انھوں نے سو سے زائد کتابوں پر تبصرے بھی کیے ہیں تاہم ان میں سے ایک بھی کتاب ایسی نہیں جو ان مذاہب سے متعلق ہو۔ اُن کے مطابق ان مذاہب کے نہ سمجھ آنے والے فلسفے اور دنیا کی حقیقت سے انکار[۱۰۳] کے ساتھ ساتھ ہندومت میں بت پرستی اور طبقاتی نظام، جب کہ کنفیوشس مت میں آباو اجداد کی پرستش نے انھیں ان مذاہب کی طرف مائل نہ ہونے دیا۔ وہ لکھتی ہیں:

> تمام اہم مذاہب کے عقائد کو پڑھنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچی کہ اصل میں تمام بڑے مذاہب ایک ہی تھے لیکن جیسے جیسے وقت گزرتا گیا وہ خراب ہوتے گئے۔ بت پرستی، آواگون کا تصور اور ذات پات کا نظام ہندومت میں سرائیت کر گیا؛ امن پسندی اور رہبانیت بدھ مت کے جزو بن گئے؛ کنفیوشس مت میں آباو اجداد کی عبادت؛ مسیحیت میں حقیقی گناہ کا عقیدہ، تثلیث، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت کے نظریات کی وجہ سے خدا کا جسمانی تصور اور مبینہ طور پر کفّارے کے لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صلیب پر موت اور یہودیت میں شعب اللہ المختار کا نظریہ۔[۱۰۴]

اس سے جہاں اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ دوسرے مذاہب کے متعلق وہ یہ تصور کرتی تھیں کہ ان کی تعلیمات میں تحریف ہوئی ہے، وہیں وہ اس بات کی بھی قائل تھیں کہ ابتدا میں یہ تمام مذاہب ایک ہی تھے جو بعد میں ایک دوسرے سے الگ ہو گئے۔

اسلام قبول کرنے کی وجوہات

جب انھوں نے مسلمانوں کا مطالعہ شروع کیا تو انھیں مسلمان بھی مادیت پرستی کی طرف راغب نظر آئے۔[۱۰۵] تاہم چوں کہ وہ امریکہ کے ایسے معاشرے میں رہائش پذیر تھیں جہاں مسلمانوں کی تعداد کم تھی، اور ان میں سے بیش تر خود نو مسلم تھے تو شروع میں مریم جمیلہ کو مسلمان معاشرے کا اندازہ کرنا مشکل محسوس ہوا ہو

101– Jameelah, *Islam and Modernism*, 100, 63; Jameelah, *Ahmad Khalil*, 205 ; Jameelah, *Islam Versus the West*, 24; Maryam Jameelah, *Modern Technology and the Dehumanization of Man* (Lahore: Mohammad Yusuf Khan, 1983), 58.

102– Jameelah, *Islam and Western Society*, 9; Jameelah, *Islam Versus Ahl al-Kitab*, 240.

103– Jameelah, *Western Civilization Condemned by Itself*, 1: XI.

104– Jameelah, *Islam Versus the West*, 5.

105– Jameelah, *Islam and Western Society*, 70-71.

گا۔ البتہ اسلام کے مطالعے سے یہ بات ان پر واضح تھی کہ نظریاتی اعتبار سے اسلام ان کی سوچ سے مطابقت رکھتا ہے۔ لہٰذا یہودیت، مسیحیت، ہندومت یا بدھ مت کو چھوڑ کر وہ اسلام کی طرف راغب ہوئیں۔ وہ لکھتی ہیں کہ دوسرے مذاہب میں بھی ایک حد تک سچائی کا عنصر پایا جاتا ہے، تاہم اسلام ایک ایسا مذہب ہے جو تمام کی تمام سچائی کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے "اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اسلام اپنے پیروکاروں کو ایک مکمل و جامع طریقۂ حیات عطا کرتا ہے جس میں فرد کا معاشرے سے اور مادے کا روح سے تعلق بھرپور انداز میں ہم آہنگ ہو کر توازن میں ہے۔"[۱۰۶] ان کی کتابوں سے یہ بات بھی واضح ہے کہ مسلمان مصنفین مثلاً محمد پکھتال، محمد اسد اور ابو الاعلیٰ مودودی کی تحریروں کے علاوہ ان کے ذاتی تجربات بھی ایک ایسی بڑی وجہ تھے جو ان کے قبولِ اسلام کا سبب بنے۔ مذاہب عالم کے تقابلی جائزے نے انھیں اسلام کی عالم گیریت، تصور خدا، تصور آخرت، متوازن زندگی گزارنے کی تربیت اور نسلی تفاخر کے بجائے تقویٰ کو معیار بنانے جیسی خوبیوں سے روشناس کروایا جن سے متاثر ہو کر انھوں نے اسلام کو بہ طور مذہب قبول کر لیا۔

اگرچہ مریم جمیلہ نے یہودیت کو بہ طور راہ ہدایت منتخب نہ کیا تاہم وہ کوئی ایسا مذہب اختیار کرنا چاہتی تھیں جو یہودیت کے قریب تر ہو۔ وہ لکھتی ہیں کہ اس کی وجہ وہ تعلیمات تھیں جو انھوں نے اردگرد کے ماحول سے حاصل کیں۔ عربوں کے مطالعے سے انھیں محسوس ہوا کہ اسلام اور یہودیت کے درمیان تعلق، اسلام اور مسیحیت کے مابین رشتے سے کہیں زیادہ مضبوط ہے۔ مسلمان اور یہودی دونوں خدا کی توحید پر یقین رکھتے ہیں؛ دونوں رہبانیت، تجرد، اور پادریوں کے نظام کو رد کرتے ہیں۔ نہ صرف یہ بلکہ انھیں معاشرتی طور پر بھی دونوں مذاہب میں بہت سی باتیں مشترک نظر آئیں جس کا اظہار وہ عبرانی اور عربی زبان کے مابین تعلقات اور کتب مقدسہ کے مطالعے کے نظام کی مثالوں سے کرتی ہیں۔[۱۰۷] یہودیت پر اسلام کو فوقیت دینے کے متعلق وہ لکھتی ہیں کہ "میں نے اسلام اپنے آبائی ورثے یا لوگوں سے نفرت یا شرمندگی کے باعث قبول نہیں کیا۔ میرا قبولِ اسلام کسی شے کو رد کرنے کے بجائے کچھ حاصل کرنے کی جستجو میں تھا۔ میں اب اپنے عقیدے کے لحاظ سے مسلمان ہوں لیکن میں ہمیشہ ایک پیدائشی یہودی رہوں گی۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس پر نہ تو مجھے کوئی فخر ہے اور نہ ہی کوئی شرمندگی۔"[۱۰۸] لہٰذا ان کا یہودیت کو چھوڑ کر اسلام کو اپنانا، سچائی کی عالم گیریت کو اپنانا بھی تھا کیوں کہ وہ یہ

106– Jameelah, *Islam Versus the West*, 5.

107– Jameelah, *Islam in Theory and Practice*, 7.

108– Jameelah, *Islam Versus Ahl al-Kitab*, 196.

سمجھتی ہیں کہ سچائی کا اپنی فطرت میں عالم گیر ہونا ضروری ہے۔

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ ان کے والد مذہب کو معاشرتی نقطۂ نظر سے دیکھتے تھے۔ وہ خود بھی معاشرے کو مذہب کا ایک اہم جزو تصور کرتی ہیں۔ وہ عقیدے کی تبدیلی سے زیادہ ثقافتی تبدیلی کو اہمیت دیتی ہیں۔ وہ مشرق کی دل دادہ تھیں اور عرب تہذیب و ثقافت سے گہری دل چسپی رکھتی تھیں۔ بچپن سے ان کا یہ نظریہ تھا کہ وہ امریکیوں کے بجائے فلسطینیوں کے ساتھ جا کر رہنا زیادہ پسند کریں گی۔ محمد اسد کی *The Road to Mecca* نے ان کے اس نظریے کو تقویت دی۔ وہ امریکہ کے جدید معاشرے میں زندگی گزارنے کے بجائے ایک روایتی معاشرے کا جزو بننا پسند کرنے لگیں، لٰہذا پاکستان میں پتوکی میں گزرے اپنے وقت کو وہ زندگی کا بہترین وقت قرار دیتی ہیں۔ پتوکی، جو ان دنوں ایک قصبہ تھا، جہاں بجلی تک کی سہولت میسر نہ تھی، ان کو اس قدر پسند آیا کہ وہ یہ لکھنے پر مجبور ہو گئیں: ”اسلام قبول کرنے کے بعد میں امریکہ سے پاکستان آئی تو میری صرف یہ خواہش تھی کہ مجھے ایک روایتی اور قدامت پسند اسلامی معاشرے میں قبول کر لیا جائے۔ بس یہی ایک چاہت تھی جو پتوکی میں پوری ہوئی جہاں میں نے تقریباً ایک سال گزارا۔“[۱۰۹] لٰہذا یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان کا قبول اسلام صرف مذہبی وجوہات کا مرہون منت نہیں تھا بلکہ اس کی معاشرتی وجوہات بھی تھیں۔

نتائج بحث

مریم جمیلہ کی مذہبی تبدیلی کا جائزہ لینے کے لیے زیر نظر تحریر میں ان کی زندگی کے مختلف پہلوؤں، مذاہبِ عالم کے متعلق ان کے خیالات اور خاندانی و معاشرتی پسِ منظر کا مطالعہ کیا گیا ہے تاکہ معلوم ہو سکے کہ انھوں نے اسلام کو دوسرے مذاہب پر ترجیح کیوں دی؟ اس مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ انھوں نے ایک ایسے یہودی گھرانے میں آنکھ کھولی جو ایک مسیحی معاشرے کا حصہ تھا۔ اگرچہ اسلام قبول کرنے سے پہلے دہریت اور بہائیت کو بھی وہ بہ طور مذہب اپنا چکی تھیں تاہم یہودیت سمیت تینوں مذاہب ان کو مطمئن نہ کر سکے تھے۔

یہودیوں اور عربوں کے قدیم تعلقات نے انھیں اسلام کے مطالعے کی طرف مائل کیا۔ محمد اسد، علامہ اقبال، سید مودودی اور مارماڈیوک پکھتال کی کتب کے مطالعے نے اسلام کے متعلق ان کے خیالات کو تقویت دی۔ **احمد خلیل** سے جذباتی لگاؤ نے انھیں صیہونیت سے دور اور اسلام کے قریب کر دیا۔ بچپن ہی سے انھیں اپنے گھر میں روحانیت کی کمی اور مغربی ثقافت پر مادیت پرستی کی گہری چھاپ نظر آئی۔ جب انھوں نے مسیحیوں اور یہودیوں میں

109– Jameelah, *At Home in Pakistan*, 25.

بھی مادیت پرستی کی طرف شدید رجحان دیکھا تو انھوں نے ایک ایسا مذہب اختیار کرنے کا سوچا جو توازن کو اپنائے ہوئے ہو اور دنیاوی اور اخروی دونوں زندگیوں کو یکساں فوقیت دیتا ہو۔ زندگی کے مقصد کی تلاش انھیں اس نتیجے تک لے گئی کہ مادیت پرستی کا دنیاوی زندگی سے تو گہرا تعلق ہے، تاہم اخروی زندگی کے لیے اس میں کچھ بھی نہیں ہے۔ ابراہیم کیتس کے لیکچرز مریم جمیلہ کی دہریت سے دوری کا ایک بڑا سبب بنے۔ قرآن مجید کے مطالعے سے انھیں زندگی کا ایک مقصد مل گیا جس کی وہ بہت عرصے سے متلاشی تھیں۔

محمد اسد کی کتب کے مطالعے نے انھیں مذہب کو بہ طور مذہب اور بہ طور ثقافت الگ الگ سمجھنے کی طرف مائل کیا۔ ان کے نزدیک مذہب کو بہ طور ثقافت اپنانا ان کے لیے زیادہ اہمیت کا حامل تھا۔ وہ اس نتیجے پر پہنچیں کہ اسلام نہ صرف ایک مذہب ہے بلکہ یہ ایک مکمل تہذیب اور ثقافت بھی ہے۔ وہ اس بات کی قائل تھیں کہ اسلام نے بہ طور مذہب اپنی شناخت کو زندہ رکھا ہے تاہم بہ طور ثقافت اس کی شناخت فی زمانہ دھندلا چکی ہے۔ قبولِ اسلام کے بعد انھوں نے پاکستان ہجرت کی۔ ان کا ابتدائی کچھ عرصہ اگرچہ نسبتاً مشکل تھا تاہم جلد ہی نہ صرف ان کے نفسیاتی مسائل کا ازالہ ہو گیا بلکہ بہ آسانی وہ پاکستانی معاشرے کا حصہ بھی بن گئیں۔

۞ ۞ ۞ ۞ ۞

List of Sources in Roman Script

- ‘Abd al-Rahman, Ahmad. *Lima dha Aslama Ha’ula’i.* Cairo: Maktabah Wahbah, 2009.
- A‘zami, Zakir. *Maryam Jamilah: Al-Muhajirah min al-Yahudiyyah ila al-Islam wa min Amrika ila Bakistan Bahthan ‘an al-Haqiqah wa al-Iman.* Damascus: Dar al-Qalam, 2010.
- Ahmad, Zuhaib. “Maryam Jamilah ka Dhihni-o Fikri Irtiqa: Aik Tajziyati Mutala‘ah.” *Fikr-o Nazar* 54, no. 3 (2017): 91-116.
- Al-Zahra, Fatimah. “Maryam Jamilah: Dini-o ‘Ilmi Khidmat.” Master’s diss., University of the Punjab, 2010.
- Baker, Deborah. *The Convert: A Tale of Exile and Extremism*. Minneapolis: Graywolf Press, 2012.
- Bowen, Patrick D. *A History of Conversion to Islam in the United States: White American Muslims before 1975*. Vol. 1, Boston: Brill, 2015.
- Cohn-Sherbok, Dan. *Judaism: History, Belief and Practice*. London: Routledge, 2003.
- Eisenstein-Barzilay, Isaac. “The Ideology of the Berlin Haskalah.” *Proceedings of the American Academy for Jewish Research* 25 (1956): 1-37.
- Esposito, John L, and Voll, John O. *Makers of Contemporary Islam*. Oxford: Oxford University Press, 2001.
- Gottlieb, Michah, ed. *Moses Mendelssohn: Writings on Judaism, Christianity, and the Bible*. New Hampshire: Brandeis University Press, 2011.
- Hermansen, Marcia. “Roads to Mecca: Conversion Narratives of European and Euro-American Muslims.” *The Muslim World* 89, no. 1 (1999): 56-89.
- Hogan, Matthew. “The 1948 Massacre at Deir Yassin Revisited.” *Historian* 63, no. 2 (2001): 309-34.
- Jameelah, Maryam .*Western Civilization Condemned by Itself: A Comprehensive Study of Moral Retrogression and Its Consequences*. 2 vols. Vol. 1, Lahore: Muhammad Yusuf Khan, 1971.

- Jameelah, Maryam, and Maudud, Abu al-A‘la. *Correspondence between Maulana Maudoodi and Maryam Jameelah*. Lahore: Muhammad Yusuf Khan, 1969.
- Jameelah, Maryam. “My Life Story: An American Muslim Convert between Two Worlds 1934-1975.” Lahore: Personal Library of Maryam Jameelah, 1975.
- Jameelah, Maryam. *A Great Islamic Movement in Turkey: Badee-U-Zaman Said Nursi*. Lahore: Muhammad Yusuf Khan, 1981.
- Jameelah, Maryam. *At Home in Pakistan (1962-1989): The Tale of an American Expatriate in her Adopted Country*. Lahore: Adabiyat, 2012.
- Jameelah, Maryam. *Islam and Modernism*. Lahore: Mohammad Yusuf Khan & Sons, 1988.
- Jameelah, Maryam. Review of *They Must Go!*, by Rabbi Meir Kahane. *Muslim World Book Review* 4, no. (1984): 32 .
- Jameelah, Maryam. *Ahmad Khalil: The Story of a Palestinian Refuge and his Family*. Lahore: Muhammad Yusuf Khan, 1979.
- Jameelah, Maryam. *Islam and Orientalism*. Lahore : Mohammad Yusuf Khan & Sons, 1981.
- Jameelah, Maryam. *Islam and Western Society: A Refutation of the Modern Way of Life*. Delhi: Adam Publishers & Distributors, 1990.
- Jameelah, Maryam. *Islam in Theory and Practice*. Lahore: Muhammad Yusuf Khan, 1978.
- Jameelah, Maryam. *Islam Versus Ahl Al-Kitab: Past and Present*. Delhi: Taj Company, 1993.
- Jameelah, Maryam. *Islam Versus the West*. Lahore: Muhammad Yusuf Khan, 1984.
- Jameelah, Maryam. *Memories of Childhood in America: The Story of One Western Convert’s Quest for the Truth*. Lahore: Muhammad Yusuf Khan, 1989.
- Jameelah, Maryam. *Modern Technology and the Dehumanization of Man*. Lahore: Muhammad Yusuf Khan, 1983.

- Jameelah, Maryam. Review of *Islam at the Crossroads*, by Muhammad Asad. *Muslim World Book Review* 5, no. 4 (1985): 39-41.
- Jameelah, Maryam. Review of *Militant Islam*, by Godfrey H. Jansen. *Muslim World Book Review* 1, no. 2 (1981): 18-19.
- Kolsky, Thomas. *Jews against Zionism: The American Council for Judaism, 1942-1948*. Philadelphia: Temple University Press, 1990.
- Morchid, Batoul Angell. "Batoul Angell Morchid to Maryam Jameelah." Lahore: Personal Library of Maryam Jameelah, 2011.
- Reershemius, Gertrud. "Jewish Culture and Literature." In *Encyclopedia of German Literature*, edited by M. Konzett. Chicago: Taylor & Francis, 2015.
- Sarka, Fatima Heeren. "Fatima Heeren Sarka to Maryam Jameelah." Lahore: Personal Library of Maryam Jameelah, 1968.
- Schloss, Chaim. *2000 Years of Jewish History: From the Destruction of the Second Bais Hamikdash until the Twentieth Century*. Jerusalem: Feldheim Publishers, 2002.
- Schreiber, Emanuel. *Reformed Judaism and Its Pioneers: A Contribution to Its History*. Carolina: BiblioBazaar, 2012.
- Umm Kulthum, "Muhtarmah Maryam Jamilah: Khatun-i Islam." *Mahnamah Batul*, Lahore (1974).
- Wagner, Donald E., and Walter T. Davis. *Zionism and the Quest for Justice in the Holy Land*. Cambridge: Lutterworth Press, 2014.